٥٨٦

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
بہانے نہ بناؤ ایمان کے بعد تم لوگ قطعی طور پر کافر ہو گئے

سُنّی دیوبندی اختلافات کا
مُنصِفانہ جائزہ

از

فقیہ عصر علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری
صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی ضلع مئو، پن ۲۷۵۳۰۴
(یوپی)
پن کوڈ ۲۷۵۳۰۴

تعارف

نام کتاب ——— مصنفانہ جائزہ

نام مصنف ——— علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی

کاتب ——— عبدالرحیم اعظمی رضوی و مولانا شمس الہدیٰ رضوی

نام مصحح ——— مولانا الحافظ عبدالحق

صفحات ——— ١٥٢

بار سوم ——— ١١٠٠

قیمت ———

ملنے کے پتے

حافظ حمید الحق برکاتی ——— جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ ٢٧٦٤٠٤

المجمع الاسلامی ——— محمد آباد گوہنہ مئو یوپی

قادری بکڈپو ——— مسجد نو محلہ بریلی شریف

رضوی کتاب گھر ——— پیر علی روڈ بھیونڈی تھانہ ٤٢١٣٠٢

مکتبہ جام نور ——— مٹیا محل دلی ٦

مولانا شفیق شریفی دارالعلوم [illegible] الہ آباد یوپی

زم زم پرنٹرز، دہلی فون 3284214

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

عام طور سے لوگ یہی جانتے ہیں کہ "سُنّی دیوبندی" اختلاف چند امور کے جواز و عدم جواز تک محدود ہے ــــ لیکن حقیقت حال کیا ہے، اس کا اعتراف خود دیوبندی جماعت کے نقیبوں کو بھی ہے۔ مولوی منظور سنبھلی کی کتاب فیصلہ کن مناظرہ کی ابتدا میں ہے:

شاید بہت سے لوگ ناواقفی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ میلاد و قیام، عرس و قوالی، فاتحہ و تیجہ، دسواں و بیسواں، چالیسواں و برسی وغیرہ رسوم کے جائز و ناجائز اور بدعت و غیر بدعت ہونے کے بارے میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں جو نظریاتی اختلاف ہے یہی دراصل "دیوبندی اور بریلوی اختلاف ہے"، مگر یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔ ص۵

پھر اصل اختلاف کیا ہے ــــ یہ دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ وہ تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، فتاویٰ رشیدیہ، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان کی عبارات اور تکذیب باری کا فتویٰ ہے۔ ان میں چار اخیر کے سب سے اہم ہیں۔ ان پر علماء اہل سنت کے یہ اعتراضات ہیں کہ ان میں ضروریات دین کا انکار اور اللہ عزوجل اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح اور شدید توہین ہے۔ اپنے قائدین کی صفائی میں دیوبندی افراد نے حتی الوسع پوری کوشش کی، مگر وہ صفائی میں قطعاً ناکام رہے جس کی تفصیل وقعات السنان، ادخال السنان، الموت الاحمر، العصوب السنیہ، روداد مناظرہ ادری

روداد مناظرۂ بریلی میں دیکھی جا سکتی ہے ــــ مگر اخیر دور میں مولوی سنبھلی صاحب نے اپنے متقدمین کی ساری تاویلات اور توجیہات کو سامنے رکھ کر ایک رسالہ "فیصلہ کن مناظرہ" لکھا ہے جس کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ حسام الحرمین کا رد ہے۔ اگرچہ اس میں جو کچھ توجیہہ و تاویل ہے ان سب کے مکمل و مفصل جوابات مذکورہ بالا کتابوں میں موجود ہیں۔ انصاف و دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے متقدمین کی باتوں کو نقل کرنے کے ساتھ ساتھ علماء اہل سنت نے اس کے جو، جوابات دیئے تھے ان کے جواب الجواب دیتے۔ انھوں نے یہ خیال کر کے کہ سب کو اس کی کیا خبر۔ صرف اپنے متقدمین کی باتوں کو اپنے الفاظ میں اس طرح پیش کیا ہے گویا انھیں کی تحقیق انیق ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں سے پورے ملک میں پھر ایک طوفان برپا ہے۔ اگر کچھ سکون ہوتا ہے تو پھر تبلیغی جماعت اسے اٹھا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

فاذا قیل انقضت تمادت یصبح الرجل مؤمنا و یمسی کافرا۔
(مشکوٰۃ ص ۴۶۴ بحوالہ ابو داؤد)

کبھی کبھی بظاہر دب جائے گا کہ کہا جائیگا ختم ہو گیا پھر پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھے گا صبح کو انسان مومن ہوگا اور شام کو کافر۔

اس لیے میں نے ضروری جانا کہ ان خطرناک کتابوں کے صحیح خدوخال نیک نیتی، انصاف، دیانت، متانت و سنجیدگی کے ساتھ عوام المسلمین کی خدمات عالیہ میں پیش کر دیا جائے۔ اور سنبھلی صاحب اور ان کے دوسرے بزرگوں نے ان عبارات کی توجیہہ و تاویل میں جو کچھ کہا ہے اور حسام الحرمین پر جو کیچڑ اچھالی ہے، اس کی قلعی بھی کھول دی جائے۔

اپنی کتاب کے مقدمہ میں سنبھلی صاحب نے جو تعلیاں، بالاخوانیاں کی ہیں مثلاً گھیر گھیر کے مناظرے اور مناظروں میں اپنی فتح وغیرہ کی ڈینگیں ماری ہیں، میں نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔ ان کا یہ رسالہ ان کی زندگی بھر کی کدوکاوش کا ثمرہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے اکابر کی صفائی میں زندگی کے کسی لمحے میں

اس سے زائد کچھ نہ کہہ سکے ہوں گے۔ مجھے حق الیقین ہے کہ ان کی پوری زندگی کی تحقیق انیق پھر ہماری ان گزارشات کو جو اس رسالے میں درج ہیں جو بھی خدا ترس انصاف پسند پڑھے گا وہ خود فیصلہ کرے گا کہ سنبھلی صاحب کی ان تعلیوں اور بالاخوانیوں کی حقیقت کیا ہے۔ و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔

محمد شریف الحق امجدی
خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
شب جمعہ۔ ۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
۱۱ نومبر ۱۹۸۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ ط
وَرَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ط

اکابر دیوبند کی خدمات

پہلا کارنامہ ۱۲۴۰ھ میں جب کہ مسلمانوں کا ہزار سالہ جاہ و جلال چراغ سحری بن چکا تھا جب کہ انگریز اپنی طاقت اور اپنی عیاری سے راس کماری سے لے کر دلی تک کا خود مختار مالک بن چکا تھا۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کا وارث انگریزوں کا وظیفہ خوار بن چکا تھا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ دین و ملت بچانے کے لیے نہیں تو عزت و آبرو کی زندگی گزارنے کے لیے ہندوستان کے مسلمان متفق و متحد ہو کر اپنی بچی کھچی توانائیوں کو اکٹھا کر کے انگریز عفریت سے نجات حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے۔ مگر اس کے برعکس دیوبندی جماعت کے امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنے آباء و اجداد کے اثر و رسوخ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی نیت سے تقویۃ الایمان لکھی۔ ارواح ثلاثہ میں خود ان کا بیان مرقوم ہے:

"میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے سورش ضرور ہوگی۔ گو اس سے سورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔ صـ۸۱"

اس کتاب میں اور اپنی دوسری کتابوں میں انھوں نے انبیاء کرام، اولیاء عظام

کی توہین کی۔ سارے جہان کے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہا وہ بھی معمولی نہیں بلکہ ابوجہل کے برابر۔ اس کے مندرجات کی اجمالی فہرست ملاحظہ کریں۔

- ایک حدیث کا ترجمہ یہ کیا۔ پھر اللہ آپ ایسی ایک باؤ (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا مر جاویں گے اور وہی لوگ رہ جائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں ——— اس کے بعد اپنی طرف سے لکھا: سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا ——— یعنی بھیج چکا اللہ ایسی باؤ جس سے وہ سب اچھے بندے جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان تھا مر گئے۔ اور اب کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔
- خدائے تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (رسالہ یکروزی صـ۱۴۵)
- اللہ تعالیٰ کو غیب کا علم ہر وقت نہیں رہتا بلکہ جب چاہتا ہے غیب کی بات دریافت کر لیتا ہے (ماخوذ از تقویۃ الایمان صـ۲۶)
- ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا (نبی ہو یا ولی) وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان صـ۱۹)
- اپنی اولاد کا نام عبدالنبی، عبدالرسول، علی بخش، نبی بخش، پیر بخش، غلام محی الدین، غلام معین الدین رکھنا شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان صـ۸)
- سب انبیاء اور اولیاء اللہ کے سامنے ایک ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ (تقویۃ الایمان صـ۲)
- رسول اللہ کو (غیب کی) کیا خبر؟ (تقویۃ الایمان صـ۵)
- رسول خدا کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ (تقویۃ الایمان صـ۵)
- رسول خدا مر کر مٹی میں مل گئے ہیں۔ (ماخوذ از تقویۃ الایمان صـ۴۹)
- جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (تقویۃ الایمان صـ۵۲)
- رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے

سے بدرجہا بدتر ہے۔ (صراطِ مستقیم)

- اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔ (تقویۃ الایمان ص۲۳)
- اللہ کو ماننے اور اس کے سوا کسی کو نہ ماننے (تقویۃ الایمان ص۱۹)
- اولیاء و انبیاء و امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (تقویۃ الایمان ص۵۸)

ان عبارتوں سے مولوی اسمٰعیل صاحب کی توقع سو فیصدی پوری ہوئی۔

تقویۃ الایمان کے شائع ہوتے ہی دہلی میں آگ لگ گئی۔ اس وقت کے تمام اکابر حتیٰ کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے ابناءِ عم مولانا محمد موسیٰ اور مولانا مخصوص اللہ صاحبان نے بھی اس کا شدید رد کیا۔ مولانا محمد موسیٰ صاحب نے "سوال و جواب اور حجۃ العمل فی ابطال الحیل" اور مولانا مخصوص اللہ صاحب نے "معید الایمان" رد تقویۃ الایمان لکھا۔ استاذ الحکما والمتکلمین علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے "تحقیق الفتوٰی فی ابطال الطغوٰی" اور امتناع نظیر لکھا۔ اس وقت کے سارے علماءِ دہلی نے بالاتفاق مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر کی۔ تحقیق الفتوٰی میں مسند الوقت علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

"اس (اسمٰعیل دہلوی) کا کلام بلاشبہ بارگاہِ الٰہی کے مقربین کے سردار، انبیاء، ملائکہ، اصفیا، مشائخ اور اولیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی تنقیصِ شان پر مشتمل ہے اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے۔

اس بیہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے اور ہرگز مسلمان نہیں ہے اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے ص۲۴۷۔

اس فتوای کی تصدیق دہلی کے صفِ اوّل کے سترہ علمائے کرام نے کی۔ جن میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے دونوں صاحبزادے حضرت مولانا مخصوص اللہ صاحب اور حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب اور خاص بات یہ ہے کہ حضرت مفتی

صدر الدین صاحب اور حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی صاحب کی بھی تصدیقات ہیں۔ ان میں حضرت مفتی صدر الدین صاحب گنگوہی اور نانوتوی دونوں صاحبان کے اور حضرت مولانا شاہ احمد سعید صاحب مجددی گنگوہی صاحب کے استاذ ہیں[۱]۔ اور حضرت مولانا مخصوص اللہ صاحب ان دونوں کے استاذ الاستاذ ہیں۔ نانوتوی اور گنگوہی صاحبان نے حدیث شاہ عبد الغنی سے پڑھی ہے اور حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ شاہ عبد الغنی کے استاذ ہیں۔

ان حضرات اکابر نے اسمٰعیل دہلوی صاحب کا صرف تحریری ہی رد نہیں فرمایا بلکہ انھیں گھیر گھیر کر پکڑ پکڑ کر مناظرے کیے۔ جس کے نتیجے میں جامع مسجد دہلی میں مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے دست راس مولوی عبد الحی کو سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں دہلی میں اس وقت ان کی یہ تحریک بالکلیہ ختم ہو گئی۔ اس میں ناکام ہونے کے بعد رسوائی کا داغ مٹانے کے لیے مولوی اسمٰعیل صاحب مع حوارین حج کے لیے چلے گئے۔

دوسرا کارنامہ

انگریز اگرچہ ہندوستان میں اپنے قدم مضبوطی سے جما چکا تھا اور اکثر حصہ پر قابض تھا۔ دلی کو اپنے حصار میں لے کر بے بس کر چکا تھا۔ مگر پنجاب اور سرحد ابھی اس کی دسترس سے باہر تھے۔ پنجاب میں سکھوں کی ایک مستحکم حکومت تھی۔ اور سرحد کے افغان اپنی فطری شجاعت اور جنگ جوئی کی بدولت آزاد تھے۔ انھیں زیر کرنے کے لیے انگریزوں نے مولوی اسمٰعیل دہلوی اور ان کے پیر سیّد احمد رائے بریلوی کی خدمات حاصل کیں[۲]۔ جب یہ لوگ حج سے واپس ہوئے تو اب تقویۃ الایمان کی دعوت کے بجائے سکھوں کے خلاف جہاد کی تحریک چلائی۔ انگریز نے اس تحریک کی کھلی چھٹی دے دی۔ وقتاً فوقتاً امداد بھی کی۔

دنیا آج بھی حیرت میں ہے کہ ایک نئی قائم شدہ حکومت میں وہ طبقہ جس سے تخت

---

[۱] تذکرۃ الرشید اول ص۳۲،۳۱ ۔ [۲] ایضاً ص۲۹ [۳] تفصیل کے لیے امتیازِ حق و تحریک بالاکوٹ کا مطالعہ کریں۔

تاج چھینا گیا، کھلے بند جہاد کی تحریک چلا رہا ہے اور حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے بلکہ اس تحریک کی حامی ہے۔ پیسے، فوج اور اسلحے جمع ہو رہے ہیں اور اسے کوئی باک نہیں۔ اگر انگریزوں کی ملی بھگت نہیں تھی تو پھر کیا بات تھی کہ کھلے بند مولوی اسمٰعیل صاحب نے بھرے مجمع میں کہا ـــــ کہ انگریزوں سے لڑنا جائز نہیں بلکہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ کرے تو انگریزوں کی حمایت میں اس سے لڑنا فرض ہے۔

سکھوں کے خلاف جہاد کرنے والے حامیانِ دین کا لشکر تیار ہوا۔ اور سرحد روانہ ہوا۔ راستے میں انگریز افسران نے دعوتیں کیں۔ مگر دنیا حیرت میں پڑ گئی کہ ان مجاہدین نے سرحد جاکر سب سے پہلا جہاد ـــــ یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا[1] خدا کی مرضی کہ پیر و مرید دونوں مسلمان افغانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

تیسرا کارنامہ

انگریزوں نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی کہ ملک مسلمانوں کے قبضے سے لے لیا۔ بلکہ یورپ سے پادریوں کو بلا کر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی بھی بھرپور جد و جہد کی۔ اور اس کے لیے طرح طرح کے دباؤ ڈالنے اور ظلم کرنے لگے۔ انگریزوں کے ان مظالم سے تنگ آکر آخر کار انگریزوں کے پنجۂ استبداد سے آزاد ہونے کے لیے رمضان ۱۲۷۲ھ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جگہ جگہ انگریزوں کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔ اس وقت دیوبندی مذہب کے بانیان نانوتوی صاحب اور گنگوہی صاحب نے انگریزوں کی حمایت میں ان آزادی کے طلب گاروں سے باقاعدہ جنگ کی۔ گنگوہی صاحب کے تذکرہ نگار عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید میں لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی اپنے رفیقِ جانی مولانا قاسم العلوم اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما

[1] تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص ۲۷۰۔ ارواحِ ثلاثہ

دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہ تھا اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جاں نثاری کے لیے تیار ہوگیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جمِ غفیر بندوقچیوں کے سامنے ایسے جمے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیرِ ناف گولی کھا کر شہید ہوئے[1]"

اس عبارت میں "اپنی سرکار" سے انگریز اور باغیوں سے مجاہدینِ آزادی ہی مراد ہیں۔

اس پر انھیں تذکرہ نگار کے اسی کتاب میں اسی سلسلے میں لکھے ہوئے یہ کلمات ذیل ہیں۔ لکھتے ہیں:

"حضرت امام ربانی (گنگوہی) پر اپنی سرکار سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا۔ تباہ ہونے والی رعایا کی نحوستِ تقدیر نے جو کچھ بھی سمجھایا ہو کا انھوں نے نتیجہ دیکھا جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انھوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ اور اپنی رحمدل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔ فوجیں باغی ہوئیں۔ حاکم نافرمان بنیں۔ قتل و قتال کا بند بازار کھولا اور جوانمردی کے غرہ میں اپنے پیروں پر کلہاڑیاں ماریں[2] ـــــ رحمدل گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی[3] آپ حضرات (نانوتوی گنگوہی صاحبان مع متعلقین) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے۔ اور تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے[4] ـــــ میں (گنگوہی) جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں۔ تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار ہے جو چاہے کرے[5]"

[1] تذکرۃ الرشید اول ص۷۳ ۔ [2] ایضاً ص۷۶ ۔ [3] ایضاً ص۷۹ [4] ایضاً ص۸۰

ان انگریزوں کے وفاداروں، رضاکاروں اور ان جیسے دوسرے دسیسہ کاروں کی بدولت انگریز نے آزادی کے طلب گاروں کو کچل کر رکھ دیا۔ پھر جرم ضعیفی کی سزا میں ہزاروں بے گناہوں کو مرگ مفاجات سے ہمکنار ہونا پڑا۔ جلاوطن ہونا پڑا۔ اپنے گھربار جائداد املاک سے ہاتھ دھونا پڑا جس کے نتیجے میں پورے ملک میں سنّاٹا چھا گیا۔ مگر انگریز جیسی چالاک قوم اس عارضی سنّاٹے پر مطمئن کیسے رہ سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جو قوم ہزار سال ہندوستان پر حکومت کر چکی ہے وہ جب بھی موقع پائے گی تو اپنی میراث کی واپسی کے لیے سربکف میدان میں آسکتی ہے تو اس نے مسلمانوں کو لڑا لڑا کر اپنے ہی میں الجھے رہنے اور آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہونے کے لیے اپنے ترکش کا آخری تیر نکالا اور لڑاؤ اور حکومت کرو کے فارمولے پر عمل کرنے کے لیے اپنے ان وفاداروں کی خدمات حاصل کیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے بُرے وقت میں اپنے بھائیوں سے لڑ کر انگریزی سامراج کی بنیادوں میں اپنا پسینہ ہی نہیں خون بھی دیا تھا۔

مدرسہ دیوبند ۱۵ محرم ۱۲۸۲ھ م ۱۴ اپریل ۱۸۶۶ء کو مولوی فضل الرحمٰن، مولوی ذوالفقار علی اور حاجی عابد حسین نے دیوبند کی چھتہ مسجد میں مدرسہ عربی کی بنیاد ڈالی۔ ان میں پہلے صاحب مولوی شبیر احمد اور مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دیوبند کے اور دوسرے صاحب مولوی محمود الحسن صدر مدرس مدرسہ دیوبند کے والد تھے۔ یہ دونوں بزرگ انگریزوں کے عربک کالج دہلی کے تعلیم یافتہ ہیں۔ فراغت کے بعد انگریزوں کے ملازم رہے۔ اس وقت پنشن پا رہے تھے[1] حاجی عابد حسین تعویذ گنڈہ جھاڑ پھونک کرتے تھے جس کی وجہ سے قصبہ اور ملحقات میں ان کا اچھا خاصا اثر تھا۔ حقیقت میں مدرسہ دیوبند کے لیے سونے کا انڈا دینے والی مرغی یہی تھے۔

اس مدرسہ کے پہلے شیخ الحدیث مولوی محمد یعقوب نانوتوی ہیں جو دہلی عربک کالج کے مشہور مدرس مولوی مملوک العلی کے صاحبزادے اور شاگرد بھی ہیں۔ مدرسہ دیوبند سے پہلے گورنمنٹ برطانیہ کے ملازم ڈپٹی انسپکٹر تھے ڈیڑھ سو روپئے ماہانہ تنخواہ پاتے

---

[1] سوانح قاسمی دوم ص ۲۳۵

تھے۔ مگر یہ نوکری چھوڑ کر پچیس روپے پر مدرسہ دیوبند میں آگئے۔ یہ بزرگ تھانوی صاحب کے بھی استاذ ہیں[1]

اس وقت نانوتوی صاحب میرٹھ کے مطبع مجتبائی میں تصحیح کے لیے نوکر تھے۔ ان کو تدریس کے لیے دیوبند بلایا بھی گیا تو انکار کر دیا[2] مگر پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد ڈرامائی انداز میں دیوبند پہنچ گئے اور اس مدرسہ پر بالکلیہ قبضہ کر لیا۔ اور اب حال یہ ہے کہ اصل بانیوں کو کوئی نہیں جانتا۔ نانوتوی صاحب کے نیازمندوں کے دروغ مسلسل نے پوری دنیا کو یقین دلا دیا ہے کہ مدرسہ دیوبند کے بانی نانوتوی صاحب ہی ہیں[3]۔ پہلے انکار پھر یک بیک دیوبند جانے میں کیا راز سربستہ تھا اسے کون جانے اتنی بات ظاہر ہے کہ عقائد، افکار، نظریات پھیلانے کے لیے بے تنخواہ پروپیگنڈسٹ مدارس دینیہ میں بڑی آسانی کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ دوسرے بغیر محنت کے اچھی طرح جیب گرم کرنے کی کنجی بھی ہے۔ اس کے چھ مہینے کے بعد اسی سال رجب میں سہارنپور میں ایک اور مدرسہ کی ابتدا ہوئی جس کا نام مظاہر العلوم رکھا گیا ــــــ علم دین کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلم کے لیے مدرسہ قائم کرنا بہت اہم دینی خدمت ہے اس سے کسے انکار مگر دنیا حیرت زدہ رہ گئی جب مدرسہ کے قیام کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد انگریز بہادر نے مدرسہ سے اپنی خوشنودی اور رضامندی کا سرٹیفکٹ عطا فرما دیا[4]۔

جب یہ مدرسہ جم گیا اور اس کی بدولت نانوتوی صاحب کی کچھ قدر و منزلت بڑھ گئی اور ان کی ہر بات کو حق ثابت کرنے والوں کی ایک فوج بھی تیار ہو گئی تو نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس

---

[1] انوار الباری اول ۲۱۹ ۔ [2] تذکرۃ العابدین ص۱۷ ۔ [3] دیوبندیوں نے اس غلط بات کو اتنی مشہور کر دیا ہے کہ نانوتوی صاحب مدرسہ دیوبند کے بانی ہیں کہ اگر اب اس کے خلاف کچھ کہا جائے تو لوگ اسے جھوٹ سمجھیں گے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ مدرسہ دیوبند کے بانی نانوتوی صاحب نہیں فضل الرحمٰن وغیرہ ہیں۔ [4] یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار اور ہمدرد [illegible] ہے۔ روزنامہ نئی دنیا دہلی کا عظیم مدنی نمبر رپورٹ جان پامر کلارک ص ۴۳

لکھی جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرالانبیاء ہونے کا انکار کیا تفصیل کے لیے اسی رسالے کے ص۵ تا ص۸ کا مطالعہ کریں۔

تحذیرالناس کے خلاف سورش

تحذیرالناس جہاں بھی پہنچی وہاں کے علماء نے اس سے بیزاری ظاہر کی۔ اس کا زبانی بھی اور تحریری بھی رد کیا۔ تحذیرالناس سے پوری امت بیزار رہی۔ اس کو تھانوی صاحب نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"جس وقت مولانا نانوتوی صاحب نے تحذیرالناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحی کے" (الافاضات الیومیہ جلد چہارم ص۵۸۰ ملفوظ ۹۲۷)

نانوتوی صاحب ایک بار ریاست رام پور تشریف لے گئے۔ اس کا قصہ ارواح ثلاثہ میں یوں لکھا ہے:

اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا۔ اس لیے کہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو حضرت نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام[1]) بتایا اور لکھا دیا۔ اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا ـــــ کہ تحذیرالناس کے خلاف اہلِ بدعات میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیر تک ہو رہی تھی۔ حضرت کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارہ میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔ ص۲۶۱

تھانوی صاحب ایک تجربہ کار گرم و سرد چشیدہ بزرگ تھے۔ انھوں نے تحذیرالناس [کے خلا]ف پورے ملک میں جو سورش تھی، اسے بہت ہلکے الفاظ میں یوں بیان کیا ـــــ

---

[1] نانوتوی صاحب کی پیدائش ۱۲۴۸ھ میں ہوئی ہے۔ اور خورشید حسن کے اعداد ۱۲۳۸ھ [ہیں] یہ تاریخی نام کیسے ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الالباب۔

پورے ملک میں کسی نے موافقت نہیں کی ـــــ مگر ارواحِ ثلاثہ کے سیدھے سادے راوی نے پوری بات کہہ دی ـــــ کہ ایک شور برپا تھا ـــــ مولانا کی تکفیر تک ہو رہی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے اہلِ بدعات کی طرف منسوب کیا۔ مگر تھانوی صاحب نے پورے ملک سے تعبیر کیا۔ اب اس کی دو ہی توجیہ ہو سکتی ہے یا تو یہ کہیے کہ پورا ملک اہلِ بدعات تھا۔ یا یہ کہیے کہ تحذیرالناس کے کفری مضمون کے خلاف کچھ کہنا ہی دیوبندی مذہب میں بدعت ہے۔

رہ گئی مولانا عبدالحی کی موافقت تو پتہ نہیں کون مولانا عبدالحی ہیں اور کس کتاب میں کیا موافقت کی ہے۔

براہین قاطعہ

تحذیرالناس پر مسلمانوں میں جو بے چینی تھی وہ ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ ۱۳۰۳ھ میں گنگوہی صاحب نے براہین قاطعہ لکھ کر اپنے مرید انبیٹھی صاحب کے نام سے چھپوائی۔ جس میں ان سارے معمولات کو جو اس وقت پوری دنیا کے مسلمانوں میں رائج تھے۔ شرک، بدعت، حرام، گناہ کہا بلکہ یہاں تک جرأت کا مظاہرہ کیا کہ میلاد مبارک کو "کنہیا" کے جنم کے سانگ سے تشبیہ دی[1]۔ اور فاتحہ کے وقت کھانے پر قرآن مجید کی آیات اور سورتیں پڑھ کر فاتحہ دینے کو ویدپڑنتھ[2] کہہ دیا۔ اس سبوح و قدوس عزوجل کے لیے امکانِ کذب کا قول[3] کیا حتیٰ کہ شیطان لعین کے علم ناپاک کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ وسیع[4] مانا تفصیل کے لیے اس کتاب کے ص۸ تا ص۱۰ کا مطالعہ کریں۔

براہین قاطعہ کے خلاف سورش

اس کتاب کے چھپتے ہی ایک عام بے چینی اور سورش پیدا ہو گئی۔ یہ کتاب چوں کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھی کے نام سے چھپی تھی وہ اس وقت پنجاب ریاست بھاولپور میں ملازم تھے اور تقیہ کیے ہوئے سُنّی بنے تھے[5] اور اسی وجہ سے بھاولپور ریاست کے مدرسے

---

[1] براہین قاطعہ ص۱۴۸ [2] ایضاً ص۲۹ [3] ایضاً ص۲ [4] ایضاً ص۵۱ [5] مقدمہ تقدیس الوکیل ص

میں مدرس بھی بنائے گئے تھے اور اسی وجہ سے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں میں بھی تھے۔ جب براہین قاطعہ کی اطلاع مولانا غلام دستگیر صاحب کو ہوئی تو انھوں نے بھاولپور جاکر انبیٹھی صاحب کو سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ جس کے نتیجے میں اسی براہین قاطعہ کے گمراہ کن مضامین پر وہیں بھاولپور ہی میں نواب بھاولپور محمد صادق عباسی کی نگرانی میں حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب اور انبیٹھی صاحب کے درمیان شوال ۱۳۰٦ھ میں تحریری مناظرہ ہوا جو تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل میں چھپ چکا ہے۔

اس مناظرے میں انبیٹھی صاحب کو شکستِ فاش ہوئی۔ مناظرے کے حکم شیخ المشائخ مولانا شاہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ دیا:

یہ یعنی خلیل احمد انبیٹھی وغیرہ وہابی ہیں اور اہلِ سنت سے خارج ہیں[1]

جس کے نتیجے میں انبیٹھی صاحب کو ریاست سے نکال دیا گیا۔

اس تاریخی مناظرے میں دیوبندی ہار گئے۔ حکم نے ان کے خلاف فیصلہ دیا، ریاست سے نکال دیئے گئے مگر دیوبند اور سہارنپور کے مدارس سے جو رنگروٹ تیار ہوتے رہے وہ بہرحال دیوبندی اعتقادیات اور نظریات کی اشاعت کرتے رہے جس کے نتیجے میں ملک کی فضا معتدل ہونے کے بجائے اور مسموم ہوتی گئی۔

وقوعِ کذب کا فتویٰ

ابھی تحذیر الناس اور براہینِ قاطعہ کے ذریعہ لگائی ہوئی آگ بھڑک ہی رہی تھی کہ دیوبندی مذہب کے قطب الارشاد مولوی رشید احمد گنگوہی نے یہ فتویٰ دے دیا کہ اللہ کے لیے "وقوعِ کذب" کے معنی درست ہوگئے اس کے قائل کو تضلیل و تفسیق سے مامون رکھنا چاہیے۔ وہ اہلِ سنت سے خارج نہیں۔ اسے کوئی سخت کلمہ بھی نہیں کہنا چاہیے۔

اس فتویٰ پر پورے ملک میں کہرام مچ گیا۔ میرٹھ، بمبئی، پٹنہ، احمد آباد، گجرات

[1] تقدیس الوکیل ص۱۴۷

سے اس کا رد چھپا مگر ان تیغ کے دلوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ لڑانے بھڑانے کی مہم میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حفظ الایمان

ان بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کوئی کمی نہ ہو پائی تھی کہ اس مذہب کے حکیم الامت دیوبند کے مدرسہ کے فارغ التحصیل مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان لکھ کر مسلمانوں کے ماحول کو آتش فشاں بنا دیا اور اب شرق و غرب میں آگ پھیل گئی۔ پورا ملک اس کی لپیٹ میں آگیا۔ ہر طبقے کے علماء نے اس کا رد لکھا۔[1] مگر دیوبندی مدارس کے فارغین نے اپنے اساتذہ کے وقار کو بچانے کے لیے وہ سب کیا جس کی مشاق دیوبندی مدارس میں ان کو کرائی گئی تھی۔

ان تفصیلات سے ظاہر ہوگیا کہ وہابی دیوبندی مذہب کی بنیاد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی نے سنہ ۱۲۴۰ھ میں رکھی اور اسی وقت سے جہاں جہاں یہ فتنہ پہنچا وہاں کے علماء نے اس کا بھرپور رد کیا۔ علماءِ دہلی، بدایوں، رامپور، بمبئی، پٹنہ، کلکتہ، احمد آباد، سلہٹ وغیرہ کے ردِ وہابیہ کے رسائل آج بھی ملتے ہیں حتیٰ کہ دیوبندی مذہب کے بانیوں کے پیر بھائی اور پڑوسیوں نے بھی ان کا رد کیا۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل رامپوری، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری بھی جناب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید ہیں۔ بلکہ علماءِ پنجاب و پشاور نے بھی پوری قوت سے اس کا مقابلہ کیا جس کے ثبوت میں تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل موجود ہے

پانچواں کارنامہ

پورے ملک کے علمائے اہلِ سنت کی کوششوں سے دیوبندیت دم توڑنے لگی تھی کہ دفعۃً مدرسہ دیوبند کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب نے کانگریس میں شریک ہوکر اپنے آپ کو شیخ الہند بنا کر پیش کیا۔ کانگریسیوں کو اپنی طاقت بڑھانے کے لیے ضرورت تھی کہ کچھ مقدس صورتیں بھی ہماری گود میں آجائیں۔ انھوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور شیخ الہند بنا کر پورے ملک کا دورہ کرایا۔

[1] اسی کتاب کا ص۱۱۱ تا ص۱۲۲

اس سے دیوبندی جماعت کو یہ فائدہ ہوا کہ پورے ملک میں مدرسہ دیوبند کا تعارف ہوگیا اور عوام کی بہت بڑی بھیڑ یہ سمجھنے لگی کہ یہ مدرسہ واقعی ایک دینی ادارہ ہے۔ اور اس طرح مدرسہ دیوبند میں طلبہ کی بھیڑ دن بدن بڑھتی گئی اور دیوبندیت پھیلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ رنگروٹ خود بخود پیدا ہوتے گئے۔

مُجدّدِ اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرّہٗ

پورے ملک کا یہ ماحول تھا۔ اس ماحول میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ہوش سنبھالا اور مسندِ ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے اور اپنی فراست و بصیرت سے دیکھ لیا کہ اسلام کی بنیادی قدروں میں تحریف کرنے والوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک دیوبندی ہیں۔ شیعہ سنی الگ تھے، وہابیت کی دوسری شاخ غیر مقلدیت اپنی ایجاد کردہ نئی نماز کے طریقوں سے پہچانی جاتی تھی مگر دیوبندی اپنے کو حنفی نہ صرف حنفی بلکہ چشتی قادری نقشبندی سہروردی ظاہر کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ میلاد، قیام، فاتحہ وغیرہ سبھی اہلِ سنت کے مراسم بھی ادا کر لیتے۔ انبیٹھی صاحب کا بھاولپور میں اور تھانوی صاحب کا کانپور میں[1] ابتدائی دور اسی طرح گزرا ـــــــــ اس لیے ان کا پہچاننا بہت مشکل ہے اور حال یہ ہے کہ انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام کی شانِ اقدس میں جتنی صریح اور کھلّم کھلّا توہین انھوں نے کی ہے کسی نے بھی نہیں کی۔

اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یوں تو ہر باطل فرقے کا رد فرمایا مگر سب سے زیادہ توجہ دیوبندی فرقے کی طرف مبذول فرمائی۔ خداداد علمی تبحر اور ذہانت و فطانت

---

[1] تقدیس الوکیل ص۹۔ [2] تذکرۃ الرشید جلد اول ص۱۱۷-۱۱۸

سے ان کے باطل نظریات کے خلاف عمر بھر نبرد آزما رہے۔ اصولی، فروعی تمام مختلف فیہ مسائل پر ایسی فیصلہ کن ابحاث تحریر فرمائیں کہ نہ تو موافق کے لیے زیادتی کی گنجائش باقی رہی اور نہ مخالف کے لیے کسی حیلہ و بہانہ کی جگہ ـــــــــ قرآن مجید کی آیات، احادیث، اقوالِ سلف و خلف سے اپنے عقائد و اعمال کو ایسا مبرہن اور دیوبندی عقائد و اعمال کو باطل ثابت فرمادیا کہ ان کی تردید سے پوری برادری آج تک عاجز ہے اور قیامت تک عاجز رہے گی۔

حسامُ الحرمَین

مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ۱۳۲۰ھ م ۱۹۰۲ء میں المعتمد المستند تصنیف فرمائی۔ جسے حضرت مولانا قاضی عبدالوحید صاحب رئیس پٹنہ نے اسکی متن المعتقد المنتقد کے ساتھ ۱۳۲۱ھ م ۱۹۰۳ء میں چھپوایا

المعتمد المستند میں گنگوہی، نانوتوی، انبیٹھی، تھانوی صاحبان کی تحذیر الناس تکذیب باری عز اسمہٗ کے فتوای اور براہینِ قاطعہ، حفظ الایمان کی کفری عبارتوں کی بناء پر قطعی تکفیر مذکور ہے۔

اس کی اطلاع ان میں جو لوگ زندہ تھے انھیں ہوئی بھی مگر ان لوگوں نے اپنی صفائی نہیں دی۔ نہ اس کی کوئی تاویل کی نہ توجیہ کی جس کا اعتراف ان لوگوں کے ترجمانِ اعظم سنبھلی صاحب کو بھی ہے[1]

ان کتابوں کی یہ عبارتیں کفری معنی میں ایسی واضح اور غیر مبہم ہیں کہ اس کا انکار کرنا آفتاب کے وجود سے انکار کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانچ سال تک نہ ان میں سے کسی کو کچھ بولنے کی گنجائش ملی نہ ان کے تلامذہ کو نہ خلفاء کو۔

---

[1] فیصلہ کن مناظرہ ص۱۹

۱۳۲۴ھ میں بلا کسی سابقہ ارادے اور قصد کے یک بیک باطنی کشش کی بناء پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ حج و زیارت کے لیے گئے۔

تو اسی فتویٰ کی تائید و تقویت کے لیے المعتمد المستند کا وہ حصہ جس میں ان لوگوں کی نام بنام تکفیر تھی، علماءِ حرمین طیبین کی خدماتِ عالیہ میں پیش فرمایا۔ اور دونوں حرم کے اجلہ علماءِ کرام مفتیانِ عظام خطباء ذوی الاکرام مدرسین ذوی الفخام نے اس کی دھوم دھامی تصدیق فرمائیں۔ اور سب نے نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھی، تھانوی صاحبان کے بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ یہ لوگ ضروریاتِ دین کے انکار اور شانِ الوہیت و رسالت میں صریح گستاخی کرنے کی وجہ سے دین سے خارج کافر مرتد ہیں

حج و زیارت سے واپسی کے بعد ان تمام تصدیقات کو "حسام الحرمین" کے نام سے چھپوا دیا۔ دیوبندی پہلے ہی کہیں منھ دکھانے کے لائق نہیں تھے اب جبکہ اللہ کے گھر اور اس کے حبیب کے در سے بھی ان کے بارے میں وہی حکم آ گیا جو ۱۲۹۰ھ سے ہندوستان کے ہر طبقے کے علماء دیتے آئے تھے، تو انھیں کہیں پناہ نظر نہ آئی۔ اس لیے انھوں نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ علماءِ حرمین طیبین چونکہ اردو نہیں جانتے تھے اور اعلیٰ حضرت نے حد درجہ ان کی خوشامد اور چاپلوسی کی اس لیے وہ دھوکے میں آ گئے اور فتویٰ تکفیر کی تصدیق کر دی۔

اس کا جواب اولاً ان علماء میں شیخ الدلائل استاذ العلماء مولانا عبد الحق مہاجر مکی تفسیر اکلیل کے مصنف بھی ہیں۔ یہ ضلع الہ آباد قصبہ نارہ کے باشندے تھے۔ یہ تو اردو جانتے تھے۔ گنگوہی صاحب کے سوانح نگار عاشق الٰہی میرٹھی کے بقول گنگوہی صاحب کو بھی جانتے تھے[1] انھوں نے کیسے تصدیق کر دی؟ حسام الحرمین میں ان کی تصدیق پانچویں ہے۔ ثانیاً۔ اس سال مکہ معظمہ میں انبیٹھی صاحب اور کچھ ریاست کے وزراء بھی موجود تھے۔ اس کی انھیں اطلاع بھی ملی اور

[1] تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۹۲

اپنی صفائی کی کوشش بھی کی۔ مگر علماءِ مکہ نے قبول نہیں فرمایا۔

جب رئیس العلماء مولانا صالح کمال، علی پاشا (شریف مکہ) کے دربار میں دولت مکیہ سنانے تشریف لے گئے تو اسی اثناء میں آپ نے شریف علی پاشا سے خلیل احمد انبیٹھی کے عقائدِ باطلہ اور ان کی کتاب براہین قاطعہ کا بھی ذکر کر دیا تھا خلیل احمد انبیٹھی کو خبر ہوئی تو آپ کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے اور عرض کی کہ حضرت! آپ مجھ پر کیوں ناراض ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کیا تم خلیل احمد ہو؟ بولے جی ہاں میرا نام خلیل احمد ہے۔ آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس تو نے براہین قاطعہ میں وہ شنیع باتیں کیسے لکھیں۔ میں تو تجھے (تقدیس الوکیل میں) زندیق لکھ چکا ہوں۔ اس سے پہلے مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری لاہوری کتاب "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" لکھ کر علماءِ مکہ سے تقریظیں لے چکے تھے۔ اس کتاب پر مولانا صالح کمال کی بھی تقریظ ہے۔ اس میں آپ نے خلیل احمد انبیٹھی اور رشید احمد گنگوہی کو زندیق لکھا ہے۔

مولوی انبیٹھی صاحب نے مولانا صالح کمال سے کہا کہ حضرت جو باتیں میری طرف منسوب کی گئی ہیں وہ میری کتاب میں نہیں ہیں، لوگوں نے مجھ پر افترا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا تمھاری کتاب چھپ کر شائع ہو چکی ہے، وہ میرے پاس بھی موجود ہے۔ جب خلیل احمد نے دیکھا اب بھانڈا پھوٹنے والا ہے تو بول پڑے کہ کیا حضرت کفر سے توبہ نہیں ہوتی۔ حضرت مولانا نے جواب دیا ہوتی ہے۔ پھر آپ نے چاہا کہ کسی مترجم کو بلائیں اور انبیٹھی صاحب کو براہین قاطعہ دکھا کر ان کلماتِ باطلہ کا اقرار کرا کر توبہ لیں مگر انبیٹھی صاحب رات ہی میں جدہ بھاگ گئے۔[1]

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) علماءِ مکہ معظمہ انبیٹھی اور گنگوہی صاحبان کی براہین قاطعہ سے بہت پہلے سے واقف تھے نیز اس سے بھی واقف تھے کہ اس کتاب میں ان لوگوں نے

[1] الملفوظ حصہ دوم ص۱۴۰

کفریات وضلالات لکھے ہیں۔ اس کا ذریعہ امام المناظرین مولانا غلام دستگیر قصوری رحمۃ اللہ علیہ کی تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل ہے جو بھاولپور کے تحریری مناظرہ کی روداد ہے ۔ ۱۳۰۶ھ میں جب مولانا موصوف حج وزیارت کے لیے گئے تو اس کا عربی میں ترجمہ کرکے علماءِ حرمین کی خدماتِ عالیہ میں پیش کیا۔ اس وقت سے علماءِ حرمین طیبین ان لوگوں اور ان کے عقائدِ باطلہ سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی اس حاضری سے سترہ سال پہلے سے واقف تھے۔

② علماءِ حرمین طیبین براہین قاطعہ کی کفری وگمراہ کن عبارتوں کی بناء پر سترہ سال پہلے ہی اس کے مؤلف اور مصدق کو زندیق لکھ چکے تھے۔

③ براہین قاطعہ ان حضرات کے پاس موجود تھی۔

④ ان حضرات نے چاہا کہ انبیٹھی صاحب کے رُو در رُو ان کے کفریات وضلالات کو پیش کرکے انھیں قائل کرکے توبہ کرائی جائے

⑤ اس وقت تک انبیٹھی صاحب کے پاس براہین قاطعہ کی کفری عبارتوں کی کوئی ایسی تاویل وتوجیہ ذہن میں نہ تھی جسے پیش کرکے وہ اپنی صفائی دے سکتے تھے۔

⑥ مکہ معظمہ میں ان حضرات کے علم میں ایسے مترجم تھے کہ اُردو کا عربی میں ترجمہ کرسکتے تھے اگر انھیں حسام الحرمین کے مضامین کے بارے میں کوئی شبہہ ہوتا تو ان مترجمین سے ترجمہ کراکے تحقیق کرسکتے تھے۔ مگر چونکہ تحقیق کے تمام مراحل سترہ سال پہلے طے ہو چکے تھے اس لیے اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ثالثاً۔ کسی کے کافر ہونے کا فتویٰ ایسا ہلکا نہیں کہ یہ اجلہ علماءِ کرام بلاتحقیق صرف کسی کی خوشامد، چاپلوسی سے متاثر ہوکر کسی کے کافر ہونے کا فتویٰ دے دیں گے۔ کسی کی نام بنام تکفیر تو بہت اہم مسئلہ ہے۔ بلکہ بابِ افتاء کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ ان حضرات کا حال تو یہ معلوم ہے کہ کسی ظنی فرعی مسئلہ میں اگر انھیں اتفاق نہ ہوتا تو تصدیق نہ فرماتے بلکہ برملا انکار فرمادیتے جس کی نظیر الدولۃ المکیہ کی تصدیق ہے۔

مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ علامہ احمد برزنجی نے صرف اس وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کی کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامِ قیامت کا علم ثابت کیا گیا تھا۔ اور علامہ برزنجی اس سے متفق نہ تھے۔ حالانکہ یہ مسئلہ ظنی ہے۔ اثبات یا نفی کسی صورت میں تفسیق بھی نہیں۔ مگر حسام الحرمین کی تصدیق انھوں نے بھی فرمائی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علماءِ دیوبند کی تکفیر سے ان کو بالکلیہ اتفاق تھا۔

دیوبندی مذہب کے شیخ الاسلام ٹانڈوی صاحب نے ان کی تصدیق کو بے اثر کرنے کے لیے لکھا ہے:

> چنانچہ مفتی صاحب دام ظلہٗ نے حسام الحرمین پر جو تقریظ لکھی تھی اس پر سے اپنا نام مٹا دیا۔ اور بہت سخت وسست ان کو کہا۔ مگر دوسرے دن مجدد صاحب نے اپنے صاحبزادے کو مفتی صاحب کے مکان پر بھیجا اور بہت کچھ عاجزی وغیرہ کرنے کے بعد مفتی صاحب نے پھر اپنی تقریظ پر اپنی مہر کردی اور فرمایا کہ چونکہ میں نے اپنی تقریظ میں شرط لگادی ہے اس لیے تم کو میری تحریر ہرگز نفع نہ دیوے گی! الشہاب ص۳۲

صاحب شہاب ثاقب کے اس بیان میں کتنی صداقت ہے اسے معلوم کرنے کے لیے "ردِ شہاب ثاقب" کا مطالعہ کیجیے۔ مجھے صرف اتنی گزارش کرنی ہے کہ جو بزرگ اتنا محتاط ہو کہ ایک ظنی فرعی مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے الدولۃ المکیہ کی تصدیق نہ کرے اس کے بارے میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ جب اسے یقین ہو گیا تھا کہ چاروں اس الزام سے بری ہیں جو حسام الحرمین میں ان پر لگائے گئے ہیں ان کی تکفیر پر کیسے دستخط اور مہر کردے گا اگرچہ مشروط ہی طریقے سے۔ بلکہ اگر ذرا بھی شبہہ ہوتا تو کبھی بھی تصدیق نہ فرماتے۔

حقیقت یہ ہے کہ صاحب شہاب ثاقب نے حسام الحرمین پر تقریظ کے جرم میں حضرت مفتی شافعیہ سے انتقام لیا ہے کہ ان کا حال یہ تھا کہ عاجزی اور خوشامد سے جو چاہو ان سے لکھوا لو۔ حالانکہ ان کے کردار کی مضبوطی الدولۃ المکیہ پر تقریظ نہ لکھنے

سے ظاہر ہے کہ جو شخص اتنا بلند ہو کر ایک ظنی فرعی مسئلہ میں خوشامد عاجزی چاپلوسی سے متاثر نہ ہوا وہ تکفیر کے مسئلہ میں کیسے راضی ہوجائے گا۔

رہ گئی شرط تو قبلہ ذرا سوچ سمجھ کر بات کیجیے وہ ہمیں کیسے مضر جبکہ آپ کے بزرگوں کی کتابوں میں وہ عبارتیں موجود ہیں جن پر تکفیر ہے۔ چلیے یہاں تو شرط کی آڑ لے لی مگر ان ہی مفتی شافعیہ نے اسی اپنی تقریظ میں اعلیٰ حضرت کو جو یہ لکھا اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ لکھتے ہیں:

انی قد وقفت ایہا العلامۃ النحریر۔ والعلم الشہیر ذوالتحقیق والتحریر۔ والتدقیق والتحبیر عالم اہل السنۃ والجماعۃ۔ جناب الشیخ احمد رضا خان البریلوی۔ ادام اللہ توفیقہ وارتفاعہ علی خلاصۃ من کتابک المسمی بالمعتمد المستند فوجدتہا علی اکمل الدرجات من حیث الاتقان والمنتقد۔ وقد ازلت بہا الاذی عن طریق المسلمین ونصحت فیہا اللہ ورسولہ ولائمۃ الدین۔ واثبتت فیہا براھین الحق الصحیحۃ وامتثلت فیہا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ: فہی وان کان غنیۃ عن الاطراء والتبجیل والثناء الجمیل لکنی احببت ان اجاریہا فی رہاتہا واجلوا عن بعض الوجوہ

اے علامہ کامل ماہر مشہور و معروف صاحب تحقیق و تنقیح و تدقیق و تزئین عالم اہل سنت و جماعت جناب شیخ احمد رضا خاں بریلوی اللہ ان کی توفیق اور بلندی ہمیشہ قائم رکھے میں آپ کی کتاب المعتمد المستند کے خلاصہ پر واقف ہوا۔ میں نے اسے اتقان و انتقاد کے اعلیٰ درجہ پر پایا۔ اس کے ذریعہ آپ نے مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز دور کی اور اس میں آپ نے اللہ اور اس کے رسول اور ائمۂ دین کی خیر خواہی کی۔ اور اس میں آپ نے براہین حقہ صحیحہ سے مدعیٰ کو ثابت کیا ہے۔ اور اس میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل کی ہے کہ دین خیر خواہی ہے۔ آپ کی تحریر اگرچہ مدح، تعظیم، ثنائے جمیل سے بے نیاز ہے مگر مجھے پسند آیا کہ اس کی جولان گاہ میں اس کا ساتھ دوں اور اس کے روشن بیان کے میدان میں بعض

فی مضمار تبیانہا۔ لکی اشارک صاحبہا فیما استوجب من الحظ الجمیل والاجر الجزیل عند اللہ والثواب الجزیل۔

وجوہ ظاہر کروں تاکہ مصنف نے اس اچھے حصے میں جو اس نے اپنے لیے واجب کر لیا اور اس اجر اور عمدہ ثواب میں جو اللہ عز و جل کے حضور ذخیرہ ہے شریک ہوجاؤں۔

(حسام الحرمین مترجم ص ۷۶، ۳۱۶)

اس عبارت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:

① علامہ سید احمد برزنجی کے نزدیک مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ علامہ نحریر یعنی حاذق ماہر صاحب عقل سمجھ دار ہیں۔ صاحب تحقیق تنقیح توفیق اور لائق تعظیم اہل سنت و جماعت کے عالم شیخ ہیں۔

② **المعتمد المستند** مسلمانوں کے راستے سے موذی کو ہٹانے والی ہے۔ اس میں اللہ اور رسول اور ائمۂ دین کی خیر خواہی ہے اور اس کے دلائل حق اور صحیح ہیں۔ یہ کتاب حسد، عناد، بغض و عداوت، حب جاہ و ریاست کے لیے نہیں لکھی گئی ہے بلکہ خیر خواہی کی نیت سے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ایسی کامل، اکمل، عمدہ ہے کہ تعریف و توصیف سے بے نیاز ہے۔

③ اس کتاب کے مصنف اس کتاب کے لکھنے کی وجہ سے اجر جمیل اور ثواب عظیم کے حقدار ہیں۔

④ اس کتاب کی تائید کرنے والا بھی اجر جمیل اور ثواب عظیم کا مستحق ہے۔

⑤ اس کتاب کی تصنیف پر مصنف کو یہ دعا دی۔ اللہ عز و جل ہمیشہ ان کو توفیق خیر دیتا رہے اور ان کے درجوں کو بلند کرتا رہے۔

کیا کسی سے ناراض ہونے والا، کسی کو سخت و سست کہنے والا اس قسم کے مدحیہ اور دعائیہ کلمات لکھتا ہے۔ کیا یہ تحریر چاپلوسی، عاجزی، منت و سماجت کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔ ان علامہ برزنجی صاحب کا حال تو یہ ہے کہ انھوں نے بہت مبسوط، مفصل، مدلل تقریظ لکھی اور فرمایا اسے مستقل رسالہ کرکے[1] چھاپیے گا۔ چنانچہ ان کی خواہش کی تکمیل

---

[1] الملفوظ دوم ص۳۷

کی گئی۔ ان کی تقریظ کا نام تاریخی الکلم العلیہ لمفتی الشافعیہ رکھا گیا۔

رابعًا۔ اب آئیے مدینہ طیبہ یہاں صاحب الشہاب الثاقب دیوبندیوں کے شیخ الاسلام پہلے ہی سے اپنی نجی مصلحتوں کے حصول کے لیے موجود تھے اور جیسا کہ ان کا دعوٰی ہے کہ میں نے مناظرہ کے لیے چیلنج بھی دیا۔ لکھتے ہیں:

اگر حقیقۃً اعلانِ حق مقصود تھا تو ہم نے جب مجدد صاحب سے ان امورِ اربعہ میں گفتگو طلب کی تھی تو کیوں فرار کیا تھا اور کیوں کہا تھا کہ اپنے استادوں کو بلاؤ۔ تم ہمارے قرین نہیں ہو۔ الشہاب الثاقب ص ۹۶۔ بالفاظ دگر ص ۳۲۔

صاحب شہاب ثاقب کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ انھیں اس کا علم ہو چکا تھا کہ ہمارے اکابر کی تکفیر کے فتوٰی پر علماء مدینہ طیبہ تصدیقیں فرما رہے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ تکفیر کے وجوہ چار ہیں تبھی تو آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے گفتگو کرنی چاہی اور وہ بھی ان امورِ اربعہ میں۔

اب گزارش ہے کہ آپ بہت پہلے سے مدینہ طیبہ میں مخصوص ڈیوٹی پر متعین تھے اور بقولِ خود مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے تو لازم کہ آپ کے تعلقات علماءِ مدینہ طیبہ سے یقینًا تھے اور پھر آپ نے اپنے اکابر کی صفائی میں جی جان سے کوشش کی ہوگی، مگر آپ کامیاب نہ ہو سکے اور ایک پردیسی جو چند روز کے لیے حاضر ہوا تھا وہ غالب آیا۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ علماءِ مدینہ طیبہ نے طرفین کے بیانات سن کر الزام اور صفائی پر مطلع ہو کر پوری تحقیق کے بعد آپ کے اکابر کی تکفیر کا فتوٰی دیا ہے۔

صاحب شہاب ثاقب نے تو اپنی جماعت میں اپنی بڑائی جتانے کے لیے یہ تعلی کی تھی مگر یہی خود ان کی باتوں کو رد کر گئی کہ پہلے لکھا ہے کہ انتہائی عاجزی اور تعظیم و تکریم سے متاثر ہو کر علماءِ حرمین طیبین نے ان کی حمایت کر دی۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ حاصلِ کلام یہ کہ علماءِ حرمین طیبین نے ان اساطین دیوبندیت کی تکفیر انجانے اور نادانی میں نہیں کی ہے بلکہ پوری تحقیق اور اطمینان کے بعد کی ہے۔ بلکہ ان میں سے بہت سے حضرات ان دیوبندی بزرگوں کے کفری اقوال پر بہت پہلے سے مطلع تھے

اور انھوں نے جو بھی فتوٰی دیا ہے کما حقہٗ تحقیق کے بعد دیا ہے۔

المہند

نانوتوی، گنگوہی، انبیٹھی اور تھانوی صاحبان کی وہ عبارتیں جو اس رسالہ کا موضوع ہیں ایسی صریح اور واضح کفر ہیں جو مسلمان بھی انھیں عصبیت بے جا اور حمیت جاہلیہ کے جذبے سے خالی ہو کر دیکھے گا، پکار اٹھے گا کہ یہ ضرور، ضرور کفر ہیں مگر جب مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان عبارتوں پر فتوٰی کفر دیا تو مسلمانوں کا اذعان اطمینان کی منزل تک پہنچ گیا۔ اور جب علماءِ حرمین طیبین نے اس کی تصدیق فرما دی تو واضح ہو گیا کہ ان اکابر دیوبند کا کفر اجماعی ہے۔ اسی وجہ سے جب حسام الحرمین شائع ہوئی تو دیوبندی علماء کہیں منہ دکھانے کے لائق نہ رہے۔ اس کا اعتراف دبے دبے الفاظ میں خود دیوبندی مبلغین کو بھی ہے سنبھلی صاحب رقم طراز ہیں:

> اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مولوی احمد رضا خاں کی اس چال نے ہندوستانی مسلمانوں میں ایک طوفانی فتنہ کھڑا کر دیا۔ اور شاید ہزاروں یا لاکھوں سادہ دل بندے جو مولوی احمد رضا خاں صاحب کے فتوے بازی سے بالکل متاثر نہ تھے، علماءِ حرمین کے نام سے اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ فیصلہ کن ص ۱۹

اللہ عزوجل اور اس کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی اور توہین پر پردہ ڈالنے کے لیے انبیٹھی صاحب نے یہ چال چلی کہ خود ہی ۲۶ سوالات بنائے اور خود ہی ان کے جوابات لکھے اور پھر خود اپنے علماء سے تصدیقیں کرائیں اور حرمین طیبین میں ادھر ادھر سے آکر رہنے والے کچھ آفاقیوں سے تصدیقات کرائیں اور اسے المہند کے نام سے چھاپ کر یہ ظاہر کر دیا کہ علماءِ حرمین ہمارے ساتھ ہیں۔ اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے ظاہر یہ کیا کہ یہ چھبیس ۲۶ سوالات مدینہ طیبہ کے علماء کی طرف سے تحقیقِ حال کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ چنانچہ المہند کی تمہید میں ہے۔

خاں صاحب کی اس مجرمانہ کارروائی کی خبر بعض علماء مدینہ کو ہوئی تب ان حضرات نے چھبیس سوالات حضرات علماءِ دیوبند کی خدمت مبارک میں بھیجے کہ آپ کا ان میں کیا خیال ہے۔ اس کو صاف صاف لکھیے تاکہ حق و باطل واضح ہو جائے۔ چنانچہ فخر العلماء والمتکلمین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مدرس اول مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے ان کے جوابات لکھ کر الخ ص ۴، ۵

المہند کی پوری حقیقتِ واقعیہ معلوم کرنے کے لئے صدر الافاضل سند الاماثل حضرت علامہ شاہ نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرادآبادی کے رسالہ مبارکہ "التحقیقات لدفع التلبیسات" کا اور امام المناظرین عمدۃ المتکلمین شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ شاہ ابوالفتح حشمت علی خاں صاحب علیہ الرحمہ والرضوان کے رسالہ مقدسہ "رد المہند" کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ المہند حقیقت میں دیوبندی مذہب کی جڑوں کو کھوکھلی کر گئی ہے۔ اور یہ غیر شعوری طور پر حسام الحرمین کی تصدیق ہے۔ ہم صرف چند باتیں عرض کیے دیتے ہیں۔

(۱) اگر واقعی یہ چھبیس سوالات علماءِ مدینہ میں سے کسی عالم نے کیے تھے تو ان کا نام ظاہر کرنے میں کیا چیز مانع تھی جب کہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ ان کا نام ضرور ظاہر کیا جاتا تو ان لوگوں کے حق میں حد درجہ مفید ہوتا۔ سائل کا نام ظاہر نہ کرنا کسی رازِ درونِ خانہ کی غمازی کر رہا ہے۔

(۲) جن چند علماءِ حرمین کی تصدیقات چھاپی ہیں تو پوری بعینہ نہیں چھاپی ہیں بلکہ ان کا خلاصہ چھاپا ہے اور اکثر تو نام ہی پر اکتفا کیا گیا ہے چنانچہ المہند کے ص۵۷ پر ہے:

هذه خلاصة التصديقات للسادة العلماء بمكة المكرمة — یہ مکہ مکرمہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً کے علماء کی تصدیقات کا خلاصہ ہے

اور ص۶۳ پر ہے — خلاصۂ تصادیق علماء مدینہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً

آخر پوری تصدیقات یا تصادیق لفظ بہ لفظ شائع نہ کرنا اور خلاصہ پر اقتصار کرنا کسی اہم بنیادی مقصد ہی کے لیے ہے۔ یہ بہت ہی غور طلب اور دور رس نتائج کا حامل ہے۔

(۳) مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اور علماءِ اہل سنت نے کفر کا فتویٰ تحذیر الناس اور براہینِ قاطعہ اور حفظ الایمان اور گنگوہی صاحب کے دستخطی مہری فتویٰ پر دیا ہے۔ ان سوالوں کے جواب میں ان کتابوں کی عبارتیں کیوں نہیں لکھی گئیں۔ المعتمد المستند اور حسام الحرمین کی تصنیف بلکہ اشاعتِ اول کے وقت تک المہند کا وجود ہی نہ تھا۔ المہند میں جو عبارتیں درج ہیں ان پر کس نے کفر کا فتویٰ دیا تھا کہ اسے لکھ کر مکہ معظمہ مدینہ طیبہ میں بسنے والے چند آفاقیوں سے تصدیق کرائی بلکہ علماءِ حرمین طیبین ہی سے کرالی تو اس سے کیسے ثابت ہو گیا کہ تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان اور گنگوہی صاحب کا تکذیب باری والا فتویٰ کفر نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انبیٹھی صاحب اور اس وقت کے سارے دیوبندی پیشواؤں کو اس کا یقین تھا کہ تحذیر الناس وغیرہ کی یہ عبارتیں ضرور بالضرور کفر ہیں۔ اگر بعینہ وہی عبارتیں لکھی جائیں گی تو وہی فتویٰ آئے گا جو حسام الحرمین میں آچکا ہے۔ یہی یقین و اذعان اس کا باعث ہوا کہ ان کتابوں کی اصل عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا۔ یہ ہے نظارہ ارشادِ ربانی کا کہ فرمایا:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (نمل) — ظلم اور تعلی کی وجہ سے وہ نہ مانے (ضد پر اڑے رہے) حالانکہ ان کے دل مان چکے تھے۔

المہند بھی چھپی ہوئی ہے اور حسام الحرمین بھی جس کا دل چاہے حسام الحرمین میں ان کتابوں کی عبارتوں کا جو ترجمہ ہے اسے ان کتابوں سے ملا لے۔ پھر المہند دیکھے آپ کو اس میں وہ عبارتیں کہیں نہیں ملیں گی۔ ع

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ابھی تک اکابر دیوبند کی ان عبارتوں پر کلام تھا جن پر اکابر علماءِ حرمین پھر ہند و پاک کے ۲۶۸ علماء نے کفر کا فتویٰ دیا مگر علماءِ دیوبند اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اب آئیے ہم آپ کو دیوبندی مذہب کے بانیوں کی ایسی عبارتیں دکھائیں جن کا کفر ہونا خود علماءِ دیوبند کو تسلیم ہو چکا ہے۔

۱۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب کا کفر

تقویۃ الایمان کے مصنف مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے اپنی مشہور کتاب ایضاح الحق میں لکھا ہے:

تنزیہہ او تعالیٰ از زمان و مکان و جہت و اثبات رویت بلا جہت و محاذات از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آن اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد۔

اللہ عزوجل کا زمان و مکان اور جہت سے منزہ ماننا اور اس کی رویت بلا جہت محاذات کے ثابت کرنا بدعاتِ حقیقیہ سے ہے اگر ایسے عقیدہ والا اس کو عقائد دینیہ سے شمار کرے۔

اس پر ایک استفتاء مرتب کر کے دہلوی صاحب کے نیازمندوں کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یہ سوال و جواب درج ذیل ہیں:

سوال[5]: کیا ارشاد ہے علماءِ دین کا اس شخص کے بارے میں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو زمان و مکان سے پاک اور اس کا دیدار بے جہت حق جاننا بدعت ہے۔

جوابات: ـــــ یہ شخص عقائدِ اہلِ سنت سے جاہل اور بے بہرہ اور وہ مقولہ کفر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد (گنگوہی) الجواب صحیح۔ اشرف علی (تھانوی)

---

[5] رسالہ "دیوبندی مولویوں کا ایمان"

عفی عنہ۔

حق تعالیٰ کو زمان و مکان سے منزہ ماننا عقیدۂ اہلِ ایمان ہے۔ اس کا انکار الحاد و زندقہ ہے۔ اور دیدارِ حق تعالیٰ آخرت میں بے کیف و بے جہت ہوگا مخالف اس عقیدہ کا بد دین و ملحد ہے۔ کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند۔ الجواب صحیح۔ بندہ محمود حسن عفی عنہ مدرس اول دیوبند۔

وہ ہرگز اہلِ سنت سے نہیں۔ حررہ المسکین عبد الحق۔ الجواب صحیح۔ محمد حسن مدرس دوم مدرسہ شاہی مراد آباد

۲۔ نانوتوی صاحب کا کفر

قصائد قاسمی ص۸ پر ایک شعر ہے ؎

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اس کی نعش　　تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

اس شعر کے بارے میں متعدد دیوبندی اکابر سے استفتاء کیا گیا تو ان کے مندرجہ ذیل جوابات موصول ہوئے۔ مع سوال و جواب ملاحظہ کریں:

سوال[6]: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک میلاد خواں نے محفلِ مولود میں مندرجہ ذیل شعر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں پڑھا ؎

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ ترا اسکی نعش　　تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

الجواب: ـــــ یہ شعر پڑھنا حرام و کفر ہے۔ اگر یہ سمجھ کر پڑھے کہ اس کا اعتقاد اور پڑھنا کفر ہے تب تو اس کا ایمان باقی نہ رہا اور اگر یہ علم نہ ہو کہ اس کا پڑھنا اور اعتقاد کفر ہے تو یہ شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے۔ اس کو تا مقدور اس حرکت سے روکنا شرعاً لازم ہے۔

(احمد حسن ۱۵ شوال ۱۳۶۹ھ سنبھلی)

---

[6] لطائف دیوبند

۲ـ اس شعر کا مفہوم کفر ہے، لکھنے والا اور عقیدہ سے پڑھنے والا خارج از ایمان ہے۔ ایسے صریح الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ (ظہور الدین سنبھلی)

۳ـ کسی بیہودہ اور جاہل آدمی کا شعر ہے۔ بیوقوف اور بیہودہ لوگ ہی ایسے مضمون سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس کا عقیدہ ہے تو کفر ہے۔ دیندار آدمی کو اس کے سننے سے بھی احتیاط کرنا چاہیے۔ (سعید احمد سنبھلی)

۴ـ اس شعر کا نعت میں لکھنا اور پڑھنا دونوں کفر ہے۔ (وارث علی عفی عنہ سنبھلی)

۵ـ تینوں حضرات دام ظلہم العالی کے جوابات کی میں بالکل موافقت کرتا ہوں۔
(محمد ابراہیم عفی عنہ مدرسۃ الشرع سنبھلی)

۶ـ شعر مذکور اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں شاعر نے کہا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ شاعر شرعی اصول سے واقف نہیں ہے۔ شعر میں حد درجہ کا غلو ہے جو اسلامی اصول کے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ شاعر کافر اس وجہ سے نہیں ہو سکتا کہ اس شعر کا پہلا مصرع شرط ہے جو معنی میں اگر کے ہے اور محال چیز کو فرض کر رکھا ہے۔ شرط کا وجود محال ہے اس لیے دوسرا مصرع جو بطور جزا کے ہے اس کا مرتب ہونا بھی محال ہے مگر شعر نعت رسول میں بہت گرا ہوا رکیک ہے۔ ایسے غلو سے شاعر کو بچنا فرض اور ضروری ہے۔ ایسے اشعار سے آپ کی تعظیم نہیں ہوتی بلکہ توہین کا پہلو نمایاں ہوجاتا ہے۔ ایسے اشعار مولود میں پڑھنا نہیں چاہیے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ سید مہدی حسن صدر مفتی دار العلوم دیوبند ۱۲/۲ جمعہ

۳۔ نانوتوی صاحب کا کفر

(۳) نانوتوی صاحب کے کتابچہ تصفیۃ العقائد صفحہ ۲۵ پر ہے بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت بایں معنی سمجھنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں۔

اس پر دار العلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ کریں۔

فتویٰ ۱/۴۲ الجواب۔ انبیاء علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں ان کو مرتکب معاصی

سمجھنا (العیاذ باللہ) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نہیں۔ اس کی وہ تحریر خطرناک بھی ہے اور عام مسلمانوں کو ایسی تحریرات کا پڑھنا جائز بھی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ سید احمد علی سعید۔ نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ جواب صحیح ہے۔ ایسے عقیدہ والا کافر ہے جب تک وہ تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کرلے اس سے قطع تعلق کریں۔ مسعود احمد عفی اللہ عنہ۔ مہر دار الافتاء دیوبند۔ الہند۔ تجلی دیوبند صفحہ ۱ ماہ اپریل ۱۹۵۶ء بحوالہ روزہ دعوت دہلی ۱۷/جنوری ۱۹۵۶ء

۴۔ قاری طیب کا کفر

قاری طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ایک کتاب لکھی تھی اسلام اور مغرب کی تہذیب۔ اس کتاب کے بعض اقتباسات لکھ کر کسی نے دار العلوم دیوبند کے صدر مفتی مہدی حسن صاحب کے پاس استفتاء کیا تھا۔ یہ استفتاء اور اس کا جواب ہدیۂ ناظرین ہے۔

سوال ـــــ کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اگر کوئی عالم دین فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا کی تشریح میں اور اس سے درج ذیل نتائج اخذ کرتے ہوئے اس طرح لکھے:

اقتباس ۱ـ یہ دعویٰ تخیل یا وجدان محض کی حد سے گزر کر ایک شرعی دعویٰ کی حیثیت میں آجاتا ہے کہ مریم عذراء کے سامنے جس شبیہ مبارک اور بشر سوی نے نمایاں ہوکر پھونک ماردی وہ شبیہ محمدی تھی اس ثابت شدہ دعوی سے بین طور پر خود بخود کھل جاتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس شبیہ مبارک کے سامنے بمنزلہ زوجہ کے تھیں جب کہ اس کے تصرف سے حاملہ ہوئیں۔

اقتباس ۲ـ پس حضرت مسیح کی ابنیت کے دعویدار ایک ہم بھی ہیں مگر ابن اللہ مان کر نہیں بلکہ ابن احمد کہہ کر خواہ وہ ابنیت تمثالی ہو۔

اقتباس ۳ـ حضور تو بنی اسمٰعیل میں پیدا ہوکر کل انبیاء کے خاتم قرار پائے عیسٰی علیہ السلام بنی اسرائیل میں پیدا ہوکر اسرائیلی انبیاء کے خاتم کیے گئے جس میں ختم نبوت کے منصب میں ایک گونہ مشابہت پیدا ہوگئی۔ الولد سر لابیہ۔

اقتباس ۴۲: بہر حال اگر خاتمیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کو حضور سے کامل مشابہت دی گئی تھی تو اطلاق خاتمیت میں بھی مخصوص مشابہت اور مناسبت دی گئی جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عیسوی کو بارگاہ محمدی سے خلقاً وخُلقاً ورتبۃً ومقاماً ایسی ہی مناسبت ہے جیسی کہ ایک چیز کے دو شریکوں میں یا باپ بیٹوں میں ہونی چاہیے۔ براہ کرم مندرجہ بالا اقتباسات کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں دیکھتے ہوئے اس کی صحت وعدم صحت ظاہر کر کے بتائیں کہ ایسا شرعی دعوٰی کرنے والا اہل سنت والجماعت کے نزدیک کیسا ہے۔

الجواب

جو اقتباسات سوال میں نقل کیے ہیں اس کا قائل قرآن عزیز کی آیات میں تحریف کر رہا ہے بلکہ در پردہ آیات کی تکذیب اور ان کا انکار کر رہا ہے۔ جملہ مفسرین نے تفاسیر میں تشریح کی کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو مریم علیہا السلام کی طرف بھیجے گئے تھے۔ وہ شبیہ محمدی نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے کبھی یہ نہ سمجھا کہ ان مثل عیسٰی عند اللہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ کلمتہ القاھا الیٰ مریم وروح منہ۔ فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا (الیٰ قولہ تعالیٰ) فقال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما ذکیا۔ قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ اٰیۃ للناس (الیٰ اٰخر الاٰیہ) ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ کے قائل تھے اور اس پر اجماع امت ہے کہ وہ فرشتہ تھا جو حضرت مریم کو خوش خبری سنانے آیا تھا۔ شخص مذکور ملحد و بے دین ہے عیسائیت و قادیانیت کی روح اس کے جسم میں سرایت کیے ہوئے ہے اور اس ضمن میں عیسائیت کے عقیدہ عیسٰی ابن اللہ کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے جس کی تردید علی رؤس الاشہاد قرآن عزیز نے کی ہے نیز لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی ابن مریم (الحدیث) بہ بانگ دہل شخص مذکور کی تردید کرتی ہے۔ الحاصل یہ اقتباسات قرآن وحدیث اور جملہ مفسرین اور اجماع امت کے خلاف ہیں مسلمانوں کو ہرگز اس طرف کان نہ لگانا چاہیے بلکہ ایسے عقیدہ

والے کا بائیکاٹ کرنا چاہیے۔ جب تک توبہ نہ کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند۔ سہ روزہ دعوت دہلی۔ بابت ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۲ء۔

ناظرین! اگر دنیا سے انصاف اٹھ نہیں گیا ہے تو انصاف ہی کا واسطہ دے کر علماء دیوبند کے معتقدین کو دعوت فکر دے رہا ہوں کہ آخر یہ سب کیا ہے۔ وہ ان فتاوٰی کو بغور پڑھیں۔ اس میں خود جماعت دیوبند کے ذمہ دار مفتیوں نے مولوی اسماعیل دہلوی کو اور نانوتوی صاحب کو کافر، فاسق، خارج از ایمان، بیہودہ، جاہل آدمی لکھا اور قاری طیب صاحب کو قرآن کا محرّف، آیات کا مکذب منکر کہا بلکہ ملحد، بے دین اور ایسا شخص بتایا جس کے جسم میں عیسائیت اور قادیانیت کی روح سرایت کیے ہوئے ہے۔ نانوتوی صاحب اور قاری طیب صاحب کے بارے میں تو یہ بھی لکھا کہ ان سے قطع تعلق اور بائیکاٹ کرنا چاہیے۔

علمائے اہل سنت پر تو آپ کا یہ الزام ہے کہ حسد اور نام آوری کے لیے ان پر کفر کا فتویٰ دیا ہے مگر اپنے مولویوں کے بارے میں سوچو کہ آخر انھوں نے ایسا فتوٰی کیوں دیا اور اگر ان فتاوٰی پر پوری تنقید سننا چاہتے ہو تو ماہنامہ تجلی بابت ماہ اپریل ۱۹۵۶ء اور ماہنامہ تجلی دیوبند خاص نمبر مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء کا مطالعہ کرو۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ فتاوٰی اسی وقت تک کے لیے تھے جب تک قائلین کے نام نہیں معلوم تھے اور نام معلوم ہونے کے بعد سارے فتاوٰی بدل گئے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مفتیان دیوبند کے اعتقاد کا مدار قرآن وحدیث نہیں بلکہ ان کے اکابر ہیں۔

اس ماحول میں ہمیں یقین کامل ہے کہ اگر ابتداءً تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان کی وہ عبارتیں جو ہمارے اس رسالے کا موضوع ہیں، خود دیوبندی مفتیوں کے یہاں بھیجی گئی ہوتیں اور نام ظاہر نہ کیا گیا ہوتا تو وہی فتویٰ آتا جو حسام الحرمین میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ دیوبندی جماعت کے اکابر جانے یا انجانے طور پر ایسی باتیں لکھ گئے ہیں جو خود انھیں کے ذمہ دار افراد کے نزدیک کفر ہے یا پھر یوں کہیے کہ علماء دیوبند کفر اور ایمان میں تمیز نہیں رکھتے۔

رازِ درونِ خانہ

یہاں تک پہنچنے کے بعد ایک بہت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟

جو لوگ اسلام کی تاریخ سے واقف ہیں انھیں اس کا جواب دینا کچھ مشکل نہیں۔ اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر اسے تباہ و برباد کرنے والوں کا ایک مسلسل طبقہ عہدِ صحابہ ہی سے چلا آ رہا ہے بلکہ عہدِ رسالت ہی سے۔ جو اپنے کو سچّا پکّا مخلص اللہ والا مسلمان ظاہر کر کے مسلمانوں میں گھل مل کر طرح طرح کی دسیسہ کاری ریشہ دوانی کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

عبداللہ بن سبا کا حال کون نہیں جانتا کہ یہودی ہوتے ہوئے مسلمان بن کر وہ کیسے کیسے ہنگامے برپا کرتا رہا۔ خوارج نے عمر بھر اسد اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چین نہیں لینے دیا۔ روافض کی قرناً بعد قرنٍ نسلاً بعد نسلٍ ریشہ دوانیوں نے کتنی بار مسلمانوں کو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔ تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی بربادی اور نادر شاہ درانی کے ہاتھوں دہلی کا قتلِ عام کون نہیں جانتا۔ میر جعفر، میر صادق کی غدّاری کے قصّے سبھی کو معلوم ہیں۔ انگریز ہندوستانی حکمرانوں کی باہمی چپقلش اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان کا مالک ضرور بن بیٹھا، مگر یہ چالاک جانتا تھا کہ ہندوستانیوں میں اگر کبھی غلامی کی ذلت کا احساس پیدا ہوا تو ہمارا ہندوستان میں ٹکنا محال ہو جائے گا۔ اس لیے اسے ضرورت تھی کہ ہندوستانی خصوصاً مسلمان چین سے بیٹھنے نہ پائیں۔ کہ انھیں غلامی کی ذلت کا احساس ہو اس کے لیے انگریز نے دو طرفہ کوشش کی۔ ایک یہ کہ ہندو مسلمان آپس میں لڑیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمان بھی متحد رہ نہ پائیں۔ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔ اس کے لیے بہت ذہین ہوشیار آدمیوں کی ضرورت تھی۔ ہندوؤں کو مسلمانوں سے کیسے اور کس کے ذریعہ لڑایا۔ اس وقت اس سے بحث نہیں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی مہم کی مختصر داستان یہ ہے۔ پہلے

گزر چکا کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے مسلمانوں کو لڑانے کی نیت سے تقویۃ الایمان لکھی ان کو خود اعتراف ہے۔

گو اس سے شورش ہو گی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے[1]

مولوی اسمٰعیل دہلوی کی یہ توقع پوری ہوئی۔ اس سے مسلمانوں میں لڑائی جھگڑا، قتال خونریزی ہوئی اور اب تک ہو رہی ہے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ گھر گھر اختلاف پیدا ہوا۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو گیا اور ہو رہا ہے۔ رہ گئی یہ توقع کہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ایں خیال ست و محال ست و جنوں۔ آئیے اسی جماعت کے ایک محقق کی رائے سنیے۔ مولوی احمد رضا بجنوری دیوبندی لکھتے ہیں:

افسوس ہے کہ اس کتاب تقویۃ الایمان جس کی وجہ سے مسلمانانِ ہند و پاک جن کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے اور تقریباً نوے فی صد حنفی المسلک ہیں دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایسے اختلافات کی نظیر دنیائے اسلام کے کسی خطے میں بھی ایک امام ایک مسلک کے ماننے والوں میں موجود نہیں[2]

انگریزوں نے تقویۃ الایمان مفت تقسیم کی۔

اب مسلمان اپنے سینے پر پتھر کی سِل رکھ کر سنیں۔ تقویۃ الایمان کو انگریزوں نے مفت تقسیم کیا۔ ڈاکٹر قمر النساء ایم۔ اے نے عربی میں ایک بہت ہی تحقیقی کتاب "العلامہ فضل حق الخیر آبادی"، لکھی ہے جس پر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن نے انھیں ڈاکٹریٹ کا ڈپلوما دیا ہے۔ اس کتاب کو مکتبہ قادریہ لاہور نے بہت اہتمام اور آب و تاب سے چھاپا ہے۔ اس کے ص ۸۷، ۸۸ پر ہے:

شاع کتاب تقویۃ الایمان اولا من رائل ایسیاٹک سوسائٹی (ROYAL ASIATIC SOCIETY) وقد اعترف

تقویۃ الایمان پہلی بار (کلکتہ) رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے چھاپی اور پروفیسر محمد شجاع الدین صدر شعبۂ تاریخ، دیال سنگھ کالج لاہور نے

---

[1] ارواحِ ثلثہ ص ۷۱۔ [2] انوار الباری ص ۱۰۷ جلد ۱۱

البروفیسر محمد شجاع الدین (المتوفی ۱۹۶۵ء) رئیس قسم التاریخ بکلیۃ دیال سنگھ بلاھور فی مکتوبہ الی البروفیسر خالد البزمی بلاھور ان الانجلیزیین قد وزعوا کتاب تقویۃ الایمان بغیر ثمن. (سیف الجبار ص ۱۸، ۱۹ بحوالہ الجریدۃ تبصرۃ لاھور یولیو ۱۹۶۵ ص ۶)

اپنے ایک خط میں جو انھوں نے لاہور پروفیسر خالد بزمی کو لکھا تھا یہ اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے تقویۃ ایمان مفت تقسیم کی۔

رائل ایشیاٹک سوسائٹی انگریزوں کا خاص ادارہ ہے۔ اب ہر دیندار خدا ترس کو سوچنا یہ ہے کہ جو کتاب دیوبندی مذہب کے قطب الارشاد گنگوہی صاحب کے فتویٰ کے مطابق عین اسلام ہے۔ اسے پہلی بار چھاپنے کی سعادت بھی انگریزوں کے حصے میں آئی اور اسے بلا قیمت مفت تقسیم کرنے کی بھی۔ آخر تقویۃ الایمان اور انگریز میں کیا رشتہ تھا۔ وہ انگریز جو اس وقت جب کہ وہ پورے ہندوستانیوں کو تثلیث پرست بنانے کے لیے پوری قوت صرف کیے تھا "توحید خالص سے بریز" کتاب چھاپ کر مفت تقسیم کر رہا ہے، پھر ذرا یہ بھی ملاحظہ فرمائیں، کتاب لکھی گئی دہلی میں اور چھپ رہی ہے کلکتہ میں اور چھاپ رہا ہے انگریزوں کا ادارہ۔

تقویۃ الایمان لندن میں چھپی

دیوبندیوں کا عین اسلام اور توحید خالص تقویۃ الایمان انگریزوں کو اتنی بھائی کہ اس کا انگریزی ترجمہ لندن میں شائع کیا۔ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے ان میں ساتویں کتاب تقویۃ الایمان ہے۔ چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ (ج ۱۳، ۱۸۵۲ء) میں چھپا۔ [1]

قدر دانی کی اس سے بڑی اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ تثلیث کے داعی، ردِ شرک کی سب سے اعلیٰ کتاب کا انگریزی ترجمہ حکومتی سطح پر چھاپ رہے ہیں۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اور آگے بڑھیے۔ اسی تقویۃ الایمان کے مصنف مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کلکتہ کے ایک مجمع عام میں علانیہ یہ فتویٰ دیا:

ایسی بے رو، ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں" (سوانح احمدی ص ۵۷) بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔

(حیات طیبہ ص ۲۹۱)

اب ہر شخص کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تقویۃ الایمان کی اتنی پذیرائی انگریزوں نے کیوں کی۔ یہ ان کے انتہائی مخلص جاں نثار کی تصنیف ہے، جو انگریزوں کی حکومت کو بے رو ریا غیر متعصب سرکار علی رؤس الاشہاد کہہ رہا ہے۔ اور صاف صاف فتویٰ دے دیا ——— کہ انگریزوں سے "جہاد" درست نہیں۔ بلکہ اگر کوئی انگریزوں پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ انگریزوں کی حفاظت کریں ان پر سے دفاع کریں ——— اس فتویٰ میں کوئی کا لفظ خاص توجہ کا مستحق ہے۔ یہ لفظ بتا رہا ہے کہ انگریزوں پر کوئی مسلمان بھی حملہ آور ہو تو اس سے بھی ہندوستان کے مسلمان کو لڑنا فرض ہے۔ اسی فرض کی ادائیگی تھی کہ گنگوہی اور نانوتوی صاحبان ۱۸۵۷ء کے مجاہدینِ آزادی سے لڑے جیسا کہ گزر چکا۔

انگریزوں کا پلان

مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اپنی کتاب مولانا محمد اسماعیل اور تقویۃ الایمان

---

[1] مقالاتِ سرسید (مجلس ترقیِ ادب لاہور جلد ۹ ص ۱۷۸)

میں لکھا ہے:

۱۸۷۰ء، وائٹ ہاؤس لندن میں کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کمیشن مذکور کے نمائندگان کے علاوہ ہندوستان میں متعین مشن کے پادری بھی دعوت خاص پر شریک ہوئے تھے جس میں دونوں نے علیحدہ علیحدہ رپورٹ پیش کی۔ جو کہ دی اریول آف برٹش ایمپائر ان انڈیا کے نام سے شائع کیا گئی جس کے دو اہم اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

رپورٹ سربراہ کمیشن سر ولیم ہنٹر

مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر ملکی کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے۔ اور ان کے لیے غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے۔ جہاد کے اس تصور سے مسلمانوں میں جوش اور ولولہ ہے۔ اور جہاد کے لیے ہر لمحہ تیار ہیں۔ ان کی یہ کیفیت کبھی وقت بھی انہیں حکومت کے خلاف ابھار سکتی ہے۔

رپورٹ پادری صاحبان

یہاں کے باشندوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پیری، مریدی کے رجحانات کی حامل ہے۔ اگر اس وقت ہم کسی ایسے غدار کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جائیں جو ظلی نبوت کا دعویٰ کرنے کو تیار ہو جائے تو اس کے حلقہ نبوت میں ہزاروں لوگ جوق در جوق شامل ہو جائیں گے لیکن مسلمانوں میں اس قسم کے دعوی کے لئے کسی کو تیار کرنا ہی بنیادی کام ہے۔ یہ کام ہو جائے تو اس شخص کی نبوت کو حکومت کے زیر سایہ پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔ وہ مرحلہ اور تھا۔ اس وقت فوجی نقطۂ نظر سے غداروں کی تلاش کی گئی تھی لیکن اب جبکہ ہم برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمراں ہو چکے ہیں۔ اور ہر طرف امن و امان

بھی بحال ہو گیا ہے تو ان حالات میں کسی ایسے منصوبے پر عمل کرنا چاہیے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو۔

دونوں رپورٹوں کو پڑھیے۔ رپورٹ تو ۱۸۷۰ء میں دی گئی ہے۔ مگر یہی رپورٹ انگریزوں کے اس فارمولا کا آئینہ ہے جس پر عمل کر کے وہ برصغیر کی تمام مسلمان حکومتوں کو تباہ و برباد کر کے سب کا مالک بن بیٹھا تھا۔ اسی فارمولا کے مطابق مسلمانوں کے عزم جہاد کا رُخ اپنے سے پھیر کر سکھوں کی طرف کرنے کے لیے اسمٰعیل دہلوی کو سکھوں کے خلاف جہاد کا وعظ کہنے پر آمادہ کیا تھا۔ اسی فارمولا کے مطابق اکابر دیوبند نے اپنے نبی ہونے کی تمہید شروع کر دی تھی۔ اور امت کی نبض ٹٹولنے لگے تھے۔ نانوتوی صاحب کا خاتم النبیین کے نئے معنی کی ایجاد اور تھانوی صاحب کے مرید با صفا کا ان کا کلمہ پڑھنا، اسی کے پیش خیمہ تھے۔ مگر یہ لوگ نبض ہی ٹٹولتے رہ گئے، قادیانی دجال سبقت کر گیا۔

ایک جاسوس کی ڈائری

اٹھارھویں صدی عیسوی میں برطانیہ نے ایک بہت ہی چالاک ذہین جاسوس بلاد اسلامیہ میں بھیجا جس کا نام ہمفرے تھا۔ اس نے اسلامی ممالک میں گھوم کر مسلمانوں کے ہر طبقے میں، علماء و مشائخ کی خانقاہوں اور مدارس میں رہ کر ایک خفیہ یادداشت مرتب کی۔ اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی ترکیبیں بھی لکھیں۔ اس اہم ڈائری کا ترجمہ پاکستان میں چھپ چکا ہے۔ اس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

پہلے اس نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ مسلمانوں میں یہ دیوانگی آئی کہاں سے ہے کہ مسکرا مسکرا کر جان دیتے ہیں مگر پیٹھ نہیں دکھاتے۔ ان کی قوت کے خزانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

(۱) پیغمبر اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اہل بیت اور علماء و صلحاء کی زیارت گاہوں کی تعظیم اور ان مقامات اور اجتماع کو مرکز قرار دینا۔ [1]

---

[1] ہمفرے کے اعترافات مطبوعہ لاہور ص ۹۸

(۲) سادات کا احترام اور رسولِ اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا اس طرح تذکرہ کرنا گویا وہ ابھی زندہ ہیں اور درود و سلام کے مستحق ہیں۔ [۱]

ہمفرے نے مسلمانوں کی ناقابلِ تسخیر قوت کے ان دو سرچشموں کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی قوت کو ختم کرنے اور انھیں تباہ و برباد کرنے کے بہت سے راستے بتائے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) ضروری ہے کہ دلائل سے یہ ثابت کیا جائے کہ قبروں کو اہمیت دینا اور ان کی آرائشات پر توجہ دینا بدعت اور خلافِ شرع ہے۔ آہستہ آہستہ ان قبروں کو مسمار کر کے لوگوں کو ان کی زیارت سے روکا جائے۔

(۲) دوسرا کام ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ ہم حقیقی سادات اور علماءِ دین کے سروں سے ان کے عمامے اتروائیں تاکہ پیغمبرِ خدا سے وابستگی کا سلسلہ ختم ہو اور علماء کا احترام چھوڑ دیں۔ [۲]

(۳) پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان کے جانشینوں اور کلی طور پر اسلام کی برگزیدہ شخصیتوں کی اہانت کا سہارا لے کر اور اسی طرح شرک و بدعت پرستی کے آداب و رسوم کو مٹانے کے بہانے مکہ و مدینہ اور دیگر شہروں میں جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کی زیارت گاہوں اور مقبروں کی تاراجی۔ [۳]

مسلمان ان یادداشتوں کو بغور پڑھیں اور پھر دیوبندی اکابر، ابن عبدالوہاب نجدی، اسمٰعیل دہلوی وغیرہ کے کارنامے، عقائد و افکار جو کتاب التوحید، تقویۃ الایمان، فتاویٰ رشیدیہ، براہین وغیرہ میں درج ہیں پڑھیں تو اس جماعت کے صحیح خد و خال سامنے آجائیں گے اور معلوم ہو جائے گا کہ دیوبند کا خفیہ مرکز کہاں ہے۔

٭ ٭ ٭

---

[۱] ہمفرے کے اعترافات مطبوعہ لاہور ص ۹۸

[۲] " " " " ص

[۳] " " " " ص

دہلی عربک کالج

اسی فارمولے پر عمل کرنے کے لئے پہلے انگریزوں نے دہلی میں عربک کالج قائم کیا جس نے ایک دو نہیں متعدد اعلیٰ درجے کے بڑے نامی گرامی وفادار انگریزوں کو دیئے جنھوں نے اپنی مایہ ناز خدمات کی بدولت بڑے بڑے خطابات اور عہدے حاصل کئے۔ اسی عربک کالج کے متعلم اور تربیت یافتہ نانوتوی صاحب بھی ہیں۔ اور اسی شہرۂ آفاق کالج کے پڑھے ہوئے دیوبند مدرسہ کے بانی مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی ذوالفقار بھی ہیں جو گورنمنٹ کے مدت العمر ملازم اور پنشن خوار رہے۔ اتنی بات ذہن میں رکھنے کے بعد آگے بڑھئے۔

۱۸۶۷ء میں دیوبند کا مدرسہ قائم ہوا۔ اس کو ابھی پورے نو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ ۱۸۷۵ء میں انگریزی حکومت اس مدرسہ کو سند دیتی ہے۔

"یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار اور ہمدرد یان سرکار ہے۔ [۱]

ناظرین ملاحظہ کریں۔ انگریزوں کے حاکم اعلیٰ لفٹیننٹ گورنر بہادر کا نمائندہ مدرسہ دیوبند کے بارے میں یہ رپورٹ دیتا ہے۔ (۱) یہ سرکار کے خلاف نہیں (۲) اسی پر بس نہیں۔ کہتا ہے۔ بلکہ سرکار کے موافق ہے (۳) اتنا ہی نہیں بلکہ سرکار کا ممد و معاون، مددگار، ہمدرد ہے۔ کیا وفاداری اور سعادتمندی کی اس سے بھی بڑی اور کوئی سند ہو سکتی ہے۔ اللہ اللہ دین کی ترویج و اشاعت کے لئے جو کارخانہ قائم ہے وہ اسلام کے دشمنوں کا ممد و معاون، ہمدرد ہے۔ کیا امریکہ کا مشہور زمانہ محکمہ سی، آئی، اے، بھی اس ترقی کے دور میں اس کا ہمدوش ہو سکا ہے۔؟

---

[۱] روزنامہ نئی دنیا کا عظیم مدنی نمبر ص ۴۳ کالم دو۔ رپورٹ جان پامر کلارک فرستادہ لفٹیننٹ ممالک مغربی و شمالی۔

دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ ـــ ان کو چھ سو روپئے ماہوار حکومت کیجانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ۔ مگر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہہ بھی نہ گزرتا تھا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ ص۹، ۱۰

یہاں قابل غور دو باتیں ہیں۔ حفظ الرحمٰن صاحب نے شبیر احمد صاحب کی جمعیت علماء اسلام کے بارے میں کہا۔ کہ یہ حکومت یعنی انگریزوں کے ایماء اور اس کی امداد سے قائم ہوئی ہے، نیز تبلیغی جماعت کے بانی کے بارے میں بتایا کہ انھیں بھی انگریزوں سے ابتداء میں کچھ روپئے ملتے تھے۔ اور گنگوہی صاحب کے ہم نام ایک حاجی صاحب کے مقدس ہاتھوں سے۔ اس کی شبیر احمد صاحب نے کوئی تردید نہیں کی بلکہ صفائی میں یہ کہا کہ یہ کوئی نئی، اور قابل اعتراض بات نہیں، ہمارے بزرگوں کی سنت ہے۔ دیکھئے ہمارے اور آپ کے مشترک بزرگ تھانوی صاحب کو بھی انگریز روپئے دیتے تھے۔ اس کی حفظ الرحمٰن صاحب کوئی تردید نہیں کر سکے۔ تو ثابت کہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ تبلیغی جماعت اور تھانوی صاحب کو انگریز بہادر کس خوشی اور کس صلے میں روپئے دیتے تھے۔ اس موقع پر ناظرین یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ تھانوی صاحب کے بھائی "اکبر علی" صاحب گورنمنٹ برطانیہ کے سی، آئی، ڈی محکمے کے اعلیٰ افسر تھے۔

انگریزوں کے وظائف

شاید یہ راز ہمیشہ راز ہی رہ جاتا۔ مگر اللہ عزوجل کو منظور تھا کہ یہ فاش ہو جائے اس لئے اس کے اسباب پیدا فرما دیئے۔

مولوی شبیر احمد اور مولوی حسین احمد میں دیرینہ عداوت تھی جس کے نتیجہ میں شبیر احمد صاحب کو دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل میں ٹھکانا بنانا پڑا۔ مولوی حسین احمد سو فیصدی کانگریسی جمعیۃ العلماء کے مالک تھے۔ شبیر احمد صاحب نے اس کے بالمقابل جمعیت علماء اسلام بنائی۔ اول الذکر کانگریس کی آلۂ کار تھی اور ثانی الذکر مسلم لیگ کی۔ جمعیۃ العلماء ہند کے اس وقت کے ناظم مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کوشش سے شبیر احمد صاحب کے مکان پر کانگریسی جمعیۃ العلماء کے ممتاز افراد حتیٰ کہ اس کے صدر حسین احمد صاحب بھی گئے اور اس وقت کے حالات پر باہمی گفتگو ہوئی۔ جو مکالمۃ الصدرین کے نام سے چھپ گئی ہے۔ اس میں حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی نے انکشاف فرمایا:

کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ ص۸ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔

سیوہاروی صاحب نے مزید کہا

کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت (برطانیہ) کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا۔ پھر بند ہو گیا۔ ص۸

اس کے جواب میں شبیر احمد صاحب نے اس سنسنی خیز راز سے پردہ ہٹایا جس نے علماء دیوبند کے باطنی کیریکٹر کو دنیا میں بے نقاب کر دیا۔ کہتے ہیں:

نانوتوی اور گنگوہی کے زمانۂ طالب علمی کا پلان

دیوبندیوں کے حکیم الامت تھانوی صاحب جیسے معتبر راوی قصص الاکابر میں لکھتے ہیں:

یہ (نانوتوی اور گنگوہی) حضرات جب دلی میں پڑھتے تھے تو آپس میں ایک دوسرے سے (مزاحًا) کہتے۔ کہ میاں کیا بات ہے؟ کہ ہم ان بڈھوں (استادوں) سے کسی بات میں کم نہیں۔ بلکہ ہمارا علم تازہ ہے اور ان بڈھوں کا علم پرانا ہوگیا۔ پھر ہم ذہین بھی ان سے زیادہ ہیں مگر پھر بھی ان کی قدر ہے۔ ہماری نہیں۔ ان کے سامنے ہم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ دوسرے صاحب کہتے۔ کہ میاں ذرا ان بڈھوں کو کھسکنے (مرنے) دو۔ بس پھر تو ہم ہوں گے اور تم ہوگے۔

(الہادی جمادی الثانی ۵۷ھ۔ از سوانح قاسمی جلد اول ص ۲۲۴)

یہ بات یاد رکھئے کہ سوانح قاسمی جناب قاری طیب صاحب کی تصحیح و تصویب کے بعد انھیں کے اہتمام سے چھپی ہے۔ اس روایت سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) نانوتوی اور گنگوہی صاحبان میں حسد کا مادہ وافر مقدار میں تھا۔ کہ اپنے اساتذہ سے بھی حسد رکھتے تھے۔

(۲) مزاج میں حد درجہ تعلّی تھی اور خودستائی بھی۔ کہ اپنے آپ کو طالب علمی کے زمانے میں اپنے اساتذہ سے بڑا عالم اور ذہین جانتے تھے۔

(۳) بزرگوں، اساتذہ کی شان میں بے ادب و گستاخ تھے۔ کہ انھیں بڈھوں سے تعبیر کیا۔

(۴) اپنے اساتذہ کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔

(۵) طالب علمی ہی کے زمانے میں ایسے پلان بنالیا تھا۔ کہ اپنے زمانے میں بس ہم اور تم ہوں گے۔

(۶) جب یہ بڈھے کھسک گئے تو انہوں نے اس پلان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اسکی داستان

ان کے سوانح نگاروں کی زبانی سنئے۔ مناظر احسن گیلانی نے لکھا۔

(۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ نظریہ عدم تعقید کے امام الائمہ اس وقت جوان تھے۔ جبکہ دیوبندی تحریک کے بانی (نانوتوی صاحب) ابھی بارہ ساڑھے بارہ برس کی عمر سے متجاوز نہ ہوئے تھے۔ (سوانح قاسمی اول ص ۲۱۹)

قاری طیب صاحب نے لکھا:۔

حقیقی سوانح عمری یہ ہے کہ انھوں (نانوتوی صاحب) نے اپنے علم لدنی اور وہبی علوم سے جس حکمت کی بنیاد ڈالی وہ کیا ہے کن اصولوں پر مبنی ہے۔ دارالعلوم کی اس معنوی اور علمی تاسیس میں جو کام ہوا وہ یقینًا بلاشرکت غیرے تھا۔ جس کا نام دیوبندیت ہے۔

(خاتمہ سوانح قاسمی چوتھی جلد کی تمہید۔ ص ۱۷۶، ۱۷۷)

ان دونوں عبارتوں کا صریح مطلب یہ ہوا کہ نانوتوی صاحب ایک نئی تحریک کے بانی ہیں اور انھوں نے ایک نئی حکمت کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ تحریک دیوبندی تحریک ہے اور یہ حکمت دیوبندیت ہے۔ بانی ہونا بنیاد ڈالنا اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ وہ پہلے سے نہ ہو۔

(۲) اسی وجہ سے دیوبندیت کے ان بانیوں کے بہت بڑے نقیب مولوی زکریا نے ہدایت کی ہے۔ ہمارے اکابر حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی نے۔ جو دین قائم کیا تھا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ اب قاسم و رشید پیدا ہونے سے رہے۔ بس ان کی اتباع میں لگ جاؤ۔

(صحبتے با اولیاء ص ۱۲۶)

دین قائم کرنے کا جملہ بتا رہا ہے۔ کہ جو دین ان لوگوں نے قائم کیا وہ پہلے سے قائم نہ تھا جس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ نانوتوی اور گنگوہی صاحبان نے ایک نیا دین قائم کیا اسی لئے گنگوہی صاحب نے فرمایا:

(۳) سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔ اور بقسم

کہتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں۔ مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے
میرے اتباع پر۔ (تذکرۃ الرشید دوم ص ۱۷)

اخیر میں ہم تمام مسلمانوں کے سامنے مذکورہ بالا حوالجات کی روشنی میں یہ چند سوالات کر کے اپنے اصل مقصد کو پیش کرتے ہیں۔

(۱) آخر اسمٰعیل دہلوی صاحب انگریزوں پر کیوں اتنے زیادہ مہربان تھے۔ کہ یہ فتویٰ دیا کہ اگر کوئی انگریزوں سے لڑے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس سے لڑیں۔

(۲) تثلیث پھیلانے کے لئے پورا زور صرف کرنے والے انگریزوں کو تقویۃ الایمان میں کیا بات اپنے مطلب کی ملی کہ انھوں نے سب سے پہلے اسے چھپوایا۔ اور اسکا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا؟

(۳) اگر مدرسہ دیوبند انگریزوں کی اعانت اور ایما سے نہیں قائم ہوا تو لفٹیننٹ بہادر کے نمائندے نے کیوں اسے یہ سراپا افتخار سند دی کہ یہ مدرسہ موافق سرکار بلکہ ممد ومعاون سرکار دہمدردیان سرکار ہے۔

(۴) اگر دیوبندی اکابر انگریزوں کے آلۂ کار نہیں تھے تو ان کو گرانقدر وظائف کیوں دیئے جاتے تھے۔ اگر تبلیغی جماعت انگریزوں کا کچھ کام نہیں کرتی تھی تو اسے انگریزوں نے کیوں روپئے دیئے۔

(۵) اگر دیوبندیت (دیوبندی مذہب) اسلام سے ہٹ کر کوئی اور مذہب نہیں تو اس کی بنیاد ڈالنے والے اس کے بانی اس کے قائم کرنے والے نانوتوی اور گنگوہی صاحبان کیسے ہوئے۔ اور پھر حق گنگوہی صاحب کی زبان میں اور ہدایت ونجات ان کی اتباع میں کیوں منحصر ہے؟

ان سوالوں کے جواب صرف یہ ہیں ــــ پادریوں کی رپورٹ کے مطابق انگریزوں کو وہ افراد مل گئے جو مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی خدمت بحسن وخوبی انجام دینے لگے اور اسی مقصد کے لئے دارالعلوم دیوبند قائم ہوا۔ اور وہاں سے مسلمانوں کو لڑانے والے سورما پورے ملک میں پھیلتے گئے۔ اور اسی مقصد کے لئے خصوصیت سے تحذیر الناس

براہین قاطعہ اور حفظ الایمان لکھی گئیں۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی شاید ہی کوئی ایسی خوش قسمت بستی ہو جہاں اختلاف ونفاق اور جھگڑا لڑائی نہ ہو۔ دیوبند آپس میں لڑنے والوں کا وہ اڈہ ہے کہ جہاں انھیں مقابلے پر اہلسنت نہیں ملتے تو اپنے ہی میں خونخوار درندوں کی طرح لڑتے ہیں جس کی نظیر دارالعلوم کے جشن صدسالہ کے بعد کے لرزہ براندام کرنے والے معرکے مسلمانان ہند کے یادداشت میں محفوظ ہیں۔

اب آیئے نانوتوی اور گنگوہی صاحبان نے ــ اپنے طالب علمی کے زمانے میں اپنے طے کردہ منصوبہ پر ــ کہ ان بڈھوں کو ذرا کھسکنے تو دو پھر ہمیں اور تم ہوں گے۔ ــ عمل کرنے کے لئے جو نیا دین بنام دیوبندیت قائم کیا۔ اس کے دستور اساسی ــ تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان کا منصفانہ جائزہ لیں۔

تحذیر الناس میں نانوتوی صاحب نے ۔ خاتم النبیین کے متواتر قطعی یقینی اجماعی معنی یعنی آخر الانبیاء ہونے کا انکار کر کے صاف صاف لکھ دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں یا بعد میں اور کوئی نبی پیدا ہو تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے، خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

گنگوہی صاحب نے براہین قاطعہ میں لکھا ــ شیطان کے علم کی وسعت (زیادتی) نص وقرآن وحدیث سے ثابت ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسعت (زیادتی) علم کی کوئی نص قطعی نہیں۔ حضور کے لئے وسعت علم ماننا شرک ہے ــ گنگوہی صاحب نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھ دیا ــ وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے۔ یعنی خدا جھوٹ بول چکا۔ جس کا ایسا عقیدہ ہو وہ کافر فاسق تو دور ہے اہل سنت وجماعت سے خارج بھی نہیں بلکہ اسے کوئی سخت کلمہ بھی نہیں کہنا چاہیے۔ تھانوی صاحب نے حفظ الایمان میں لکھا ــ کہ حضور ایسا علم تو ہر زید وعمرو وبکر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے ــ تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ھدا۔ قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں زمین پھٹ پڑے، پہاڑ ڈھہ جائیں ــ اس اجمال کے بعد تفصیل کا مطالعہ کریں۔

نانوتوی صاحب کی کفری عبارت

مولوی قاسم نانوتوی بانیٔ مدرسہ دیوبند اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں:

اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔

سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم[1] کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔

مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اسمیں ایک تو خدا کی جانب زیادہ گوئی کا وہم ہے۔

آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جنکو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے؟ جو اس کو ذکر

[1] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ صلعم۔ ص۔ ع وغیرہ مہمل الفاظ لکھنا منع ہیں ہمیں یہ حکم ہے کہ اس موقع پر درود شریف لکھیں نہ کہ مہمل الفاظ جنکے کوئی معنی نہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ صحابۂ کرام کے ناموں کے اوپر رض یا ع وغیرہ لکھتے ہیں یہ بھی ممنوع ہے۔ علامہ سید[1] احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں یکرہ الرمز بالصلوٰۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب کلہ بکمالہ درود اور ترضی لکھنے میں رمز مکروہ ہے بلکہ یہ پورا کا پورا لکھا جائیگا۔ امام[2] نووی نے شرح مسلم میں فرمایا ومن اغفل ھذا حرم خیرا عظیما وفوت فضلا جسیما جو اس سے غافل ہوا اجر عظیم سے محروم رہا اور بڑے فضل سے۔ [1] از فتاوی رضویہ جلد سوم ص۸۲ [2] از فتاوی افریقہ ص ۲۶

کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔

دوسرے رسول اللہ صلعم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔

باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لئے سدِّ باب اتباعِ مدعیان نبوت کیا ہے۔ جو کل کو جھوٹے دعوے کرکے خلائق کو گمراہ کریں گے۔

البتہ فی حد ذاتہ قابلِ لحاظ ہے۔

پر جملہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم اور جملہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا۔

اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں اگر سدِّ باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں موقعے تھے۔

بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سدِّ باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے ص ۳،۴

خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین کا انکار

ہم نے تحذیر الناس کی اس موقعے کی عبارت پوری بتمامہ لفظ بلفظ نقل کر دی۔ ناظرین اسے بغور پڑھیں۔ چونکہ عبارت بہت گنجلک اور پیچیدہ ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ایک بار پڑھنے سے نہ سمجھ میں آئے تو بار بار پڑھیں اور عربی الفاظ کے ترجمے کسی لغت کی کتاب میں دیکھ لیں۔ ہم نے کوئی تشریح اس لئے نہیں کی کہ ہو سکتا ہے نانوتوی صاحب کے کسی نیاز مند کو یہ کہنے کی گنجائش مل جائے چونکہ تحذیر الناس کی عبارت کا مطلب غلط بتایا ہے اس لئے اس کے معنی کفری ہو گئے ہیں۔

نانوتوی صاحب نے اس عبارت میں بڑے شد و مد، زور و شور سے یہ ثابت کیا ہے

کہ۔ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین نہیں۔ اور نہ یہ معنی کسی طرح بن سکتے ہیں۔

خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے کو انھوں نے سترہ طریقوں سے باطل کیا ہے۔

اول۔ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونا، ناسمجھ عوام کا خیال ہے۔ واضح ہو کہ یہاں اس عبارت میں۔ عوام۔ کے مقابلے میں اہل فہم بولے ہیں۔ جس سے متعین ہے کہ عوام سے مراد ناسمجھ لوگ ہیں۔

دوم۔ اسے خیال بتایا۔ عقیدہ نہیں۔ خیال کے معنی وہم، گمان، رائے کے ہیں۔ اب سکا مطلب یہ ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی عقیدہ نہیں جو قطعی، یقینی، غیر متزلزل ہوتا ہے۔ بلکہ عوام کالانعام کی رائے ہے۔ جو انھوں نے ازخود قائم کرلی ہے۔ قرآن و احادیث و اقوال سلف سے ثابت نہیں۔

سوم :۔ آخری نبی ہونے کو مقام مدح میں یعنی تعریف کے موقعے پر ذکر کرنا صحیح نہیں۔ اور یہ آیت کریمہ مقام مدح میں ہے۔ اس لئے اس آیت میں خاتم النبیین آخری نبی کے معنی میں نہیں۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ آخر الانبیا ہونے میں کوئی مدح نہیں، کچھ فضیلت نہیں نہ بالذات نہ بالعرض۔

چہارم :۔ اس آیت کو مقام مدح نہ مانیں۔ اور خاتم النبیین کو اوصاف مدح میں یہ نہ مانیں۔ تو خاتم النبیین کا معنی آخری نبی ہونا درست ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ یہ آیت مقام مدح ہے اور خاتم النبیین وصف مدح ہے۔ اس لئے اس آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر نبی ہونا درست نہیں۔

پنجم :۔ اگر خاتم النبیین کے معنی آخری نبی مراد لیں گے تو خدا کے بیہودہ گو، لغو گو ہونے کا وہم ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری نبی ہونا بیہودہ، لغو وصف ہے جسمیں کچھ بھی فضیلت نہیں نہ بالذات نہ بالعرض۔

ششم :۔ آخری نبی ہونا۔ قد و قامت وغیرہ ایسے اوصاف میں ہے جنھیں فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ اس کا صاف صاف بالکل واضح غیر مبہم یہ معنی ہوا کہ آخر الانبیاء ہونے میں کچھ فضیلت نہیں۔ نہ بالذات نہ بالعرض۔

ہفتم :۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقصان قدر کا احتمال لازم آئے گا یعنی یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخری نبی ہونا ناقص وصف ہے جسمیں کچھ فضیلت نہیں۔ نہ بالذات نہ بالعرض۔

ہشتم :۔ آخری نبی ہونا ایسے ویسے یعنی معمولی درجے کے لوگوں کے اوصاف کی طرح ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں کچھ فضیلت نہیں۔ نہ بالذات نہ بالعرض۔

نہم :۔ اگر خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین لیں گے۔ تو اس آیت کے پہلے والے جملے اور اس میں تناسب نہ رہیگا۔

دہم :۔ ایک کا دوسرے پر عطف درست نہ ہوگا۔

یازدہم :۔ ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو مستدرک بنانا صحیح نہ ہوگا۔

دوازدہم :۔ اللہ کے کلام معجز نظام میں بے ربطی بے ازتباطی لازم آئے گی۔

سیزدہم :۔ نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے اتباع کو روکنے کے لئے۔ اس آیت میں خاتم النبیین نہیں فرمایا گیا، اگر یہ روکنا مقصود ہوتا تو ضرور خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین ہوتے مگر یہ روکنا اس سے مقصود نہیں۔ اس لئے اس آیت میں خاتم النبیین کے آخر النبیین معنی نہیں۔

چہاردہم :۔ اس کا یہ موقع نہیں اس کے بیسیوں اور موقعے تھے۔

پانزدہم :۔ آخری نبی ہونے پر بنا ر خاتمیت نہیں۔ کسی اور بات پر ہے۔

خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں اس پر نانوتوی صاحب نے ابتدا ہی میں اکٹھے مسلسل پندرہ دلائل قائم کردئے ہیں مگر ان جیسے نکتہ رس، دقیقہ آفریں، محقق، مدقق کا اشہب قلم اسی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ بڑھ کر اور جولانی دکھاتا ہے صفحہ پر ہے:

"سوا اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپکے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپکا فیض ہے پر

آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔"

اب بات بالکل صاف ہوگئی، اور اس کا بھی فیصلہ ہوگیا کہ جب خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں، تو آخر اس کے کیا معنی ہیں۔ اور جب یہ بناء خاتمیت نہیں تو اور کیا ہے۔ نانوتوی صاحب نے اپنی اعلیٰ فیاضی کا ثبوت دیتے ہوئے وہ بھی بتادیا۔ کہ خاتم النبیین کے معنی نبی بالذات کے ہیں اور بنا ر خاتمیت بالذات نبی ہونے پر ہے۔

شانزدہم :۔ مگر اس وقت نانوتوی صاحب کا بحر فیض پوری طغیانی پر ہے۔ تحقیقات وتدقیقات کے موتی پر موتی لٹاتے ہوئے صـ۱۴ـ پر رقمطراز ہیں:

غرض اختتام اگر باین معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو
آپ کا خاتم ہونا انبیار گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض
آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور
باقی رہتا ہے۔"

ہفدہم :۔ اور جب دریائے سخاوت کی موجیں اور تند وتیز ہوئیں تو صـ۲۸ـ پر یہ در نایاب عطا فرمایا:

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت
محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض
کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔"

یہ کل سترہ وجوہ ہوئے جن سے نانوتوی صاحب نے اپنا یہ عقیدہ ثابت کیا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین نہیں بلکہ نبی بالذات کے ہیں نیز یہ بھی واضح کردیا کہ نبی بالذات ہونے کو آخری نبی ہونا کسی طرح لازم بھی نہیں ۔ اولاً نانوتوی صاحب جیسا بیدار مغز، ماہر مناظر اگر نبی بالذات ہونے کو آخری نبی ہونا لازم مانتا تو صـ۱۴ـ پر یہ نہیں لکھتا

بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپکا
خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

ثانیاً ــــ نیز صـ۲۸ـ پر یہ نہ لکھتا:

"بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم کوئی نبی پیدا ہو تو، پھر بھی خاتمیت محمدی
میں کچھ فرق نہ آئیگا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے
اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔"

ظاہر ہے کہ ـــ اگر واقعی خاتمیت ذاتی کو زمانی لازم ہوتی تو حضور کے زمانے میں کسی نبی کے ہونے سے آپ کا خاتم ہونا ختم ہوجاتا۔ اور آپ کے بعد کسی نبی کے ہونے سے خاتمیت محمدی رخصت ہوجاتی

اس لئے کہ ہر ادنیٰ سی عقل رکھنے والے پر یہ بات واضح ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اس بات کے منافی ہے کہ حضور کے عہد مبارک یا بعد میں کوئی نیا نبی کہیں بھی پیدا ہو۔ اور نانوتوی صاحب جب یہ تصریح کر رہے ہیں کہ آپکے زمانے میں یا آپ کے بعد کسی جدید نبی ہونے کے باوجود آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ آپ کی خاتمیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا، تو ثابت کہ وہ نبی بالذات ہونے کو آخری نبی ہونا لازم نہیں مانتے۔ اس لئے کہ جو چیز لازم کے منافی ہے وہ ملزوم کے بھی ضرور منافی ہے۔ تو جو خاتمیت زمانی کے منافی وہ خاتمیت ذاتی کے بھی ضرور منافی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور اقدس کے زمانے میں یا بعد میں کسی نبی کے ہونے سے خاتمیت زمانی ضرور ختم ہوجائے گی۔ اور جب یہ ختم تو اس کا ملزوم خاتمیت ذاتی بھی ختم۔ تو جب صورت مذکورہ میں خاتمیت ذاتی اور زمانی دونوں ختم تو یہ کہنا باطل ہوجاتا ہے کہ ـــ آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔

ثالثاً :۔ نانوتوی صاحب ابتدا ہی میں چودہ وجوہ سے یہ ثابت کر آئے کہ خاتم النبیین کے معنی آخر الانبیار ہونا باطل ہے اور بطلان لازم بطلان ملزوم کو مستلزم ہے۔ تو اگر ان کے عقیدے کے خلاف کوئی صاحب خاتمیت ذاتی کو زمانی لازم مانیں تو لازم آئیگا کہ خاتمیت ذاتی بھی باطل ۔اب نہ ذاتی رہی نہ زمانی۔

رابعاً :۔ نانوتوی صاحب کے نیازمندان پر ناحق کی تہمت رکھتے ہیں، اس کا ہمارے پاس علاج خود نانوتوی صاحب ہوتے۔ تو کیا علاج۔ نانوتوی صاحب نے خود لکھا۔

" ہاں اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور رتبی سے عام لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا۔ پر ایک مراد ہو تو شایان شان محمدی خاتمیت رتبی ہے نہ زمانی۔ تحذیر الناس ص۸

اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ خاتمیت زمانی یعنی آخر الانبیاء ہونا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں۔ اور جب آخر الانبیاء ہونا شایان شان نہیں تو اسے لازم ماننے سے کیا فائدہ۔ بلکہ الٹے لازم آئیگا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان جو وصف نہیں اسے حضور کے لئے ثابت مانا۔ کیا اسمیں خود بقول نانوتوی صاحب نقصان قدر کا احتمال اور اللہ عزوجل کی طرف بیہودہ بکواس کا توہم نہیں۔ نیز اخیر کے اس جملے نے خاتمیت زمانی کا بالکل صفایا کر دیا۔ کہ جب یہ شایان شان نہیں تو خاتمیت کو مطلق مانیں، خواہ اس میں عموم مجاز کا قول کریں۔ یہ جب شایان شان نہیں۔ تو کسی طرح سے مانیں۔ لغو اور بے فائدہ ہوگا۔ نیز اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ص۳ پر بالذات کی قید صرف داشتہ بکار آید کے طور پر ہے ورنہ یہ قید لغو ہے "شایان شان محمدی نہیں" کا مطلب یہی ہے کہ اس میں کچھ فضیلت نہیں۔ نہ بالذات نہ بالعرض۔

ثابت ہوگیا کہ نانوتوی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ جو تحذیر الناس کی ان عبارات سے ظاہر ہے۔ کہ خاتم النبیین کے معنی آخر الانبیاء نہیں۔ صرف نبی بالذات کے ہیں جسے آخر الانبیاء ہونا لازم بھی نہیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے ص۱۴، ص۲۸ پر صاف صاف بلا کسی ابہام کے لکھدیا کہ۔

" اگر حضور کے زمانے میں کوئی اور نبی پیدا ہو جائے تو بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ بلکہ اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔"

خاتم النبیین کا معنی صرف آخر الانبیاء ہے

اب جبکہ آپ نانوتوی صاحب کا عقیدہ معلوم کر چکے تو آیئے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور پوری امت کا قطعی یقینی، اجماعی عقیدہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تمام صحابۂ کرام نے بلکہ پوری امت نے "خاتم النبیین"، کا معنی صرف آخر الانبیاء بتایا۔ وہ بھی اس قید کیساتھ کہ اس میں نہ تاویل کی گنجائش ہے نہ کسی تخصیص کی۔ اگر کوئی کسی قسم کی تاویل یا کوئی تخصیص کرے تو کافر ہے۔ جس پر احادیث کریمہ اور ارشادات سلف و خلف نص جلی ہیں جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو وہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا رسالہ مبارکہ "جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوة"، کا مطالعہ کرے جسمیں ۱۲۰ احادیث اور ۳۰ ارشادات علماء سے یہ ثابت فرمایا ہے۔

کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ایسا قطعی، یقینی معلوم و مشہور ہے کہ علماء تو علماء عوام بھی یہی جانتے ہیں۔ عوام سے بھی پوچھو کہ خاتم النبیین کے معنی کیا ہیں تو وہ بھی بلا توقف بتادیں گے کہ "آخری نبی" اسی وجہ سے یہ ضروریات دین سے ہے۔

(۱) امام قاضی عیاض شفا میں فرماتے ہیں:

لانه اخبر صلی الله تعالى عليه وسلم انه خاتم النبيين لا نبی بعده و اخبر عن الله تعالى انه خاتم النبيين وانه ارسل كافة للناس ۔ اجمعت الامة على حمل هذا الكلام على ظاهره وان مفهومه المراد به دون تاويل ولا تخصيص فلا شك

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ وہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ خبر دی کہ اللہ عزوجل نے انھیں خاتم النبیین بنایا اور پوری مخلوق کا رسول بنایا۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کلام (خاتم النبیین) اپنے ظاہر معنی پر محمول ہے اور اس کا جو مفہوم ہے یعنی آخری نبی ہونا۔ یہی مراد ہے جسمیں نہ کوئی تاویل ہے

في تكفير هؤلاء الطوائف كلها قطعا

تخصیص ہے۔ تو مذکورہ بالا لوگوں کے کافر ہونے میں ہرگز ہرگز کوئی شک نہیں

شفا کی اس عبارت کو محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند نے بھی اپنی کتاب ختم النبوۃ فی الآثار میں قادیانیوں کے خلاف بطور سند ذکر کیا ہے۔

(۲) حجۃ الاسلام امام غزالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامة فهمت من هذا اللفظ انه افهم عدم نبي بعده ابدا وعدم رسول بعده ابدا وانه ليس فيه تاويل ولا تخصيص ومن اوله بتخصيص كلامه من انواع الهذيان لا يمنع بتكفيره لانه مكذب بهذا النص الذي اجمعت الامة على انه غير مؤول ولا مخصوص۔

اس میں شک نہیں کہ امت نے "خاتم النبیین" سے یہ سمجھا ہے کہ اسکا مفہوم یہ ہے کہ حضور کے بعد کبھی بھی نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول۔ نیز یہ کہ اسمیں نہ تو کوئی تاویل ہے نہ کوئی تخصیص اگر کوئی اسمیں تاویل و تخصیص کرے تو وہ ہذیان کی قسم ہے اور اسے کافر کہنے سے کوئی مانع نہیں کیونکہ وہ قرآن کی اس نص کو جھٹلا رہا ہے جس کے بارے میں امت نے اجماع کیا ہے کہ نہ اسمیں تاویل ہے نہ تخصیص۔

(۳) علامہ عبد الغنی نابلسی شرح الفوائد میں لکھتے ہیں:

فساد مذهبهم غني عن البيان بمشاهدة العيان كيف وهو يؤدي الى تجويز نبي مع نبينا صلى الله عليه وسلم او بعده وذالك يستلزم تكذيب القرآن اذ قد نص على انه خاتم النبيين وآخر المرسلين وفي السنة انا العاقب ولا نبي بعدي واجمعت الامة على ابقاء هذا الكلام على ظاهره وهذه احدى المسائل المشهورة كفرنا بها الفلاسفة لعنهم الله تعالى

یعنی فلاسفہ کا یہ قول کہ نبوت کسب سے مل سکتی ہے ایسا کھلا ہوا فاسد ہے جو محتاج بیان نہیں کیسے فاسد نہیں ہوگا جبکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا حضور کے بعد کسی نبی کا ہونا جائز ہے۔ اور اسے قرآن کی تکذیب لازم ہے اس لئے کہ قرآن نے اس پر نص فرمادی ہے کہ حضور خاتم النبیین اور آخر المرسلین ہیں اور حدیث میں ہے کہ میں سب میں پچھلا ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر معنیٰ پر باقی ہے اور یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس کی بنا پر ہم نے فلاسفہ کو کافر کہا ہے۔ اللہ ان پر لعنت فرمائے۔

(۱) ناظرین! غور کریں۔ ان تینوں عبارتوں سے ظاہر ہوگیا کہ پوری امت کا اس پر قطعی یقینی اجماع ہے کہ۔ خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کے معنی صرف یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آخری نبی، آخری رسول ہیں۔ حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی نبی ہونے کو جائز جاننے والا کافر ہے۔ خواہ وہ نبی بالعرض مانے یا ظلی بروزی بہر حال کافر ہے۔

(۲) حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کوئی نبی جائز ماننا خاتمیت محمدی کے منافی ہے۔ اس کے معارض ہے۔ قرآن کی تکذیب ہے۔

(۳) لہذا یہ کہنا کہ اگر حضور کے زمانے میں یا حضور کے بعد کوئی اور نبی پیدا ہو تو آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا قرآن کی تکذیب ہونے کی وجہ سے کفر ہے اور ایسا کہنے والا کافر۔

(۴) ان عبارتوں نے بتایا کہ امت کا اس پر بھی اجماع ہے کہ اسمیں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے نہ کسی تخصیص کی بلکہ کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کرنے والا کافر ہے۔ اسلئے یہ کہنا کہ خاتم النبیین کے معنیٰ۔ نبی بالذات کے ہیں ضرور کفر اور ایسا کہنے والا ضرور کافر۔

اس عبارت پر شرعی مواخذے

نانوتوی صاحب نے دیدہ و دانستہ بالقصد والارادہ تحذیر الناس کی ان عبارتوں میں مندرجہ ذیل قطعی یقینی ایسے کفریات کا ارتکاب کیا جسمیں کسی قسم کے شک کی ذرہ

برابر گنجائش نہیں۔ نہ تاویل قریب کی گنجائش ہے نہ تاویل بعید کی

(۱) قرآن مجید کے ارشاد "خاتم النبیین" کے معنی سب میں پچھلا نبی، آخری نبی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے، صحابۂ کرام نے بتائے، پوری امت نے بتائے اور اس پر پوری امت نے قطعی، یقینی اجماع کر لیا کہ۔ خاتم النبیین کے صرف یہی معنی ہیں وہ بھی اس تشریح کے ساتھ کہ اس میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ اس کو نانوتوی صاحب نے۔ عوام بمعنی ناسمجھ کا خیال بتایا۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نافہم عوام میں داخل کیا۔ نیز صحابۂ کرام اور پوری امت کو بھی۔

(۳) اس اعلیٰ درجے کے وصف مدح کو مقام مدح میں ذکر کے قابل ہونے سے انکار کیا اور اسے وصفِ مدح ماننے سے بھی انکار کیا۔

(۴) اسے زیادہ گو نہیں بیہودہ گوئی، لغو گوئی کہا۔

(۵) اسے فضیلت سے بالکلیہ خالی کہا۔

(۶) اسے ایسے ویسے گئے گزرے لوگوں کے احوال میں داخل کیا۔

(۷) اسے اللہ عز وجل کے کلام معجز نظام کے منافی کہا۔

(۸) اسے قرآن کے تناسب و ارتباط میں مخل مان کر کہا۔ اس سے قرآن میں بے ربطی، بے ارتباطی لازم آئے گی۔ نہ عطف درست ہوگا نہ استدراک۔

(۹) اسے جھوٹے مدعیان نبوت کے جھوٹے دعویٰ نبوت کے سدباب کیلئے نہیں مانا۔ اس آیت مبارکہ کو اس کا موقع نہیں مانا۔

(۱۰) اسے بنا ر خاتمیت ماننے سے انکار کیا۔ بناء خاتمیت دوسری بات کو رکھا۔

(۱۱) خاتم النبیین کے معنی اپنے جی سے یہ گڑھا کہ۔ آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور انبیاء موصوف بوصف نبوت بالعرض

(۱۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں جدید نبی پیدا ہونے کو خاتمیت

محمدی کے منافی نہ جانا۔

(۱۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی جدید نبی کے پیدا ہونے کو خاتمیت محمدی کے معارض نہیں مانا۔

ناظرین سے سوال ہے۔ کیا اتنے کفریات کے ارتکاب کے باوجود بھی تحذیر الناس کے مصنف نانوتوی صاحب مسلمان ہی رہے۔ اس کا فیصلہ آپ حضرات پر چھوڑتا ہوں۔

شبہات اور انکے جوابات

نانوتوی صاحب کے نیازمندوں نے تحذیر الناس کی ان عبارات کی توجیہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے وقفے وقفے کے بعد ستا ستا کر، دم لے لے کر ان کے کفر کو اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر قریب قریب ایک صدی کی انتھک کوششوں کے باوجود کوئی صاحب اس کی کوئی ایسی توجیہ نہ کر سکے جو ان عبارتوں کے کفریات کو اٹھا سکے۔ توجیہ کے نام سے جو بھی کہا گیا وہ ان عبارتوں کی توجیہ نہیں۔ تحویل و تبدیل ہے تحریف ہے۔ اب ہم ان توجیہات کو پیش کر کے فیصلہ خود ناظرین کے حوالے کرتے ہیں۔

اول ص۳،۴ پر نانوتوی صاحب نے جو کچھ لکھا وہ اس بنیاد پر ہے۔ کہ خاتم النبیین کے معنی صرف آخر الانبیاء لئے جائیں اور اگر آخر الانبیاء کے ساتھ ساتھ نبی بالذات بھی لئے جائیں تو وہ ایرادات نہیں۔ نانوتوی صاحب کے ارادت مندوں سے کچھ کہنا بیکار ہے وہ تو سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے ان کے کلام کو تبدیل کر رہے ہیں البتہ ناظرین توجہ کے ساتھ سنیں۔

اولاً قابل غور یہ بات ہے کہ نانوتوی صاحب نے ص۳،۴ پر آخری نبی ہونے کو اوصاف مدح سے نہیں جانا، صاف صاف لکھا

"ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔"

نانوتوی صاحب کی اس تحقیق کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی اور نہ

مدح میں سے قطعًا نہیں۔ آگے اور واضح کر دیا ہے۔

"خاتمیت زمانی اور قدو قامت، شکل و رنگ وحسب ونسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جنھیں فضائل میں کچھ دخل نہیں، کوئی فرق نہیں"۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ خاتمیت زمانی میں کوئی فضیلت نہیں۔

اب مذکورہ بالا توجیہہ کے مطابق جب خاتم النبیین سے نبی بالذات ہونا مراد ہو اور آخر الانبیا رہونا اسے لازم مان لیں تو آخر الانبیار ہونا فضل وکمال اور اوصاف مدح میں سے کس طرح ہو جائیگا۔ یہ وہ لاینحل گتھی ہے جسے آجتک کوئی صاحب حل نہیں کر سکے اور نہ قیامت تک حل کر پائیں گے۔ اسی پر بس نہیں۔ اس کو بھی کوئی صاحب واضح کر دیں کہ خاتمیت زمانی کو خاتمیت ذاتی کے لئے لازم مان لینے سے وہ سولہ ایرادات کیسے اُٹھ جائیں گے۔

ثانیًا — نانوتوی صاحب تو صاف کہیں کہ یہ اس کا موقع نہیں۔ اسکے مقبول اور موقعے ہیں۔

ثالثًا — وہ انتہائی وضاحت سے لکھیں "بلکہ بنار خاتمیت اور بات پر ہے"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی پر نہیں۔

رابعًا — اس بنار کو وہ نہایت صفائی سے بیان کریں۔

"سو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے کہ آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض"۔

اب یہ نانوتوی صاحب پر سراسر بہتان اور افترا نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ خاتم النبیین سے ختم زمانی اور ذاتی دونوں مراد لیتے ہیں۔ کسی مصنف کے سر بہتان باندھنا اس کے قول کی تاویل یا توجیہہ ہے یا تحریف وتبدیل۔

خامسًا۔ اگر نانوتوی صاحب کے نیازمند یہ کہیں کہ ہماری توجیہہ کا مطلب یہ ہے کہ خاتم نبیین کے معنی نبی بالذات کے ہیں اور آخر الانبیار اسے لازم ہے، تو عرض ہے

کہ گزر چکا۔ پھر صفحہ ۱۴ کی اس عبارت کی چول کسی طرح نہیں بیٹھتی — کہ لکھا

"بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔

اور اسی طرح صفحہ ۲۸ کی اس عبارت کی بھی — کہ لکھا

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا"۔

کیا یہ اجلیٰ بدیہیات سے نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں یا بعد میں کسی نبی کا ہونا آخر الانبیار ہونے کو باطل کر دیگا۔

سادسًا — اس لزوم کے بطلان کو ابتدا میں صفحہ ۵۸ پر چار طریقے سے باطل کیا جا چکا ہے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ — پھر خاتمیت ذاتی بھی رخصت ہو جائے گی۔ مزید ایک اور وجہ بھی سنئیے۔ نانوتوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ نبوت کی طرح ایمان سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متصف بالذات ہیں۔ تحذیر الناس صفحہ ۱۳۔ اب اگر یہ صحیح تسلیم کر لیا جائے کہ اتصاف ذاتی کے لئے تاخر زمانی لازم ہے تو لازم آئے گا کہ جسطرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اسی طرح حضور کے بعد یا حضور کے زمانے میں کوئی مومن ہی نہ ہو حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی مومن تھے اور بعد میں بھی ہوئے، اور اب بھی ہیں تو ثابت کہ اتصاف ذاتی کے لئے تاخر زمانی کے لزوم کا قول سراسر باطل۔

سابعًا — شفا شریف، الاقتصاد، اور شرح الفوائد کی عبارتیں گزریں جنمیں تصریح ہے کہ — پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ خاتم النبیین — کے معنی صرف آخر الانبیار ہیں اور یہی مراد ہے۔ جو اس میں تاویل کرے یا تخصیص کرے یا دوسرا معنی بتائے وہ کافر ہے۔

جب آپ لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ خاتم النبیین کے معنیٰ نبی بالذات ہے تو بتائیے کہ ان ارشادات کی روشنی میں نانوتوی صاحب کیا ہوئے؟

نانوتوی صاحب کے کچھ نیازمندوں نے کہا کہ

"حضرت مولانا نانوتوی مرحوم اور بعض دوسرے محققین کی تحقیق یہ ہے الخ

اور ایک بہت بڑے کفش بردار نے لکھا

"عام مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ مراد خاتمیت سے فقط خاتمیت زمانی ہے"

(الشہاب الثاقب ص۴)

اب تک یہ سوال پچہتر برس سے ہے کہ وہ محققین اور خواص مفسرین کون ہیں جنھوں نے سمجھا ہے کہ خاتمیت سے زمانی اور ذاتی یا رتبی سب مراد ہیں۔ مگر آجتک کوئی نہ بتا سکا۔ ... بہ مت تک بتا سکتا ہے اور بتائیگا کیسے۔ خود نانوتوی صاحب اسی تحذیر الناس ... ص۲۶ پر اقرار کر چکے۔

"اگر بوجہ کم سنفانی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا ... ن آگیا اور کسی نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہدی تو کیا، اتنی بات سے وہ عظیم الشان ... گاہ باشد کہ کودک ناداں — کبھی ہوتا ہے ناسمجھ بچہ

بغلط بر ہدف زند تیرے — غلطی سے نشانے پر تیر مار دیتا ہے

... نوتوی صاحب پر کتنا بڑا ظلم ہے کہ وہ تو اسے اپنی ایجاد بتائیں اور آپ انکے نیازمند ... ہوتے ہوئے کہیں۔ نہیں یہ پہلے کے بھی محققین کی تحقیق ہے۔

حسام الحرمین

حسام الحرمین میں تحذیر الناس کی اس طول طویل عبارت کے اختصار کا عربی ترجمہ ... گیا تھا۔

... ض فی زمنه صلی الله تعالیٰ ... وسلم بل لو حدث بعده ... الله تعالیٰ علیه وسلم نبی ... لم یخل ذالك بخاتمیته ... یل العوام انه صلی الله

اگر بالفرض آپکے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ عوام کے خیال

تعالیٰ علیه وسلم خاتم النبیین بمعنی اخر النبیین مع انه لا فضل فیه اصلا عند اهل الفهم۔

میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

اس پر نانوتوی صاحب کے ایک کفش بردار بہت غضبناک ہوئے اور انتہائی غصے میں باپ دادا کی موروثی شرافت کا کل خزانہ خالی کرکے اسے دجل فریب اور اسکے جملہ مرادفات سے تعبیر کیا ہے۔ اس غیظ و غضب کی وجہ تین باتیں لکھی ہیں:

اول ص۱۴ اور ص۲۸ کی عبارت پہلے لکھیں اور ص۳ کی بعد میں۔

دوم ص۱۴ اور ص۲۸ کی عبارتوں کو آپس میں اس طرح خلط کر دیا ہے کہ ایک معلوم ہو رہی ہیں۔ بیچ میں ڈیش تک نہیں لگایا۔

سوم۔ تحذیر الناس میں تھا۔ بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ بالذات حذف کرکے یہ لکھدیا۔ کچھ فضیلت نہیں۔

اوّل کا جواب بندہ نواز غصہ تھوکئے۔ حقائق کا سامنا کیجئے۔ یہ تینوں عبارتیں تین مستقل کفر ہیں۔ ان کو علیٰحدہ علیٰحدہ لکھو تو کفر۔ کتاب کی ترتیب سے لکھو تو کفر اور ترتیب بدل کر لکھو تو کفر۔ یہ کہنا۔ کہ

"اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور رہتا ہے"

مستقل کفر ہے کیونکہ یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کا انکار ہے

اور یہ کہنا کہ۔

"اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا"

مستقل کفر کیونکہ یہ بھی آخر الانبیاء ہونے کا انکار ہے

اور یہ کہنا کہ

"عوام کے خیال میں آپ کا خاتم النبیین ہونا بمعنی آخر النبیین ہے۔ حالانکہ اہل فہم کے نزدیک اس میں کچھ فضیلت نہیں۔"

یہ بھی مستقل کفر۔ کیونکہ خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ درجے کے ان فضائل میں سے ہے۔ جن میں اور کوئی حضور کا شریک نہیں اور اللہ عزوجل نے اسے مقام مدح میں ذکر فرمایا۔ اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے کمالات میں بیان فرمایا۔ پوری امت عہد صحابہ سے لے کر آجتک اسے اعلیٰ درجے کی فضیلت جانتی اور مانتی ہے اور مدح کے طور پر ذکر کرتی ہے۔

چند مستقل چیزوں کی ترتیب کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً نانوتوی صاحب کے نیاز مند ولید نے کہا

"عوام کا خیال ہے کہ اللہ عزوجل کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت یہ ہے کہ وہ معبود بالذات ہو۔"

اس معنی کے لحاظ سے اگر اللہ کے علاوہ چند اور معبود مان لئے جائیں تو اللہ کی وحدانیت میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ اس پر ایک مسلمان نے کہا۔ اے ولید تو کافر مرتد ہوگیا۔ توبہ کر کلمہ پڑھ کر پھر سے مسلمان ہو۔ ولید نہیں مانا۔ تو اس مسلمان نے استفتاء مرتب کیا۔ ولید نے یہ کہا ہے اگر اللہ کے علاوہ چند اور معبود مان لئے جائیں تو اللہ کی وحدانیت میں کچھ فرق نہ آئیگا وہ معبود بالذات ہے۔ یہ عوام کا خیال ہے کہ اللہ کے واحد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں۔ ہر انصاف پسند بتائے، کیا یہ دجل ہے؟ فریب ہے؟ اس کو دجل و فریب وہی لکھے گا جو خود دجال فریب کار ہوگا۔

نزاع ختم کرنے کے لئے کوئی صاحب ہمارے اس سوال کا جواب دیدیں۔

(۱) حسام الحرمین میں جو ترتیب مذکور ہے۔ اس میں اور تحذیر الناس میں جو ترتیب ہے اس سے معنی میں، مفہوم میں کیا فرق پڑا؟

(۲) حسام الحرمین میں تحذیر الناس کا جو ترجمہ درج ہے وہ کفر ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر شکایت کا کیا حاصل کہ ترتیب بدل دی۔ اور اگر کفر ہے تو اقرار کر لیجئے۔ پھر قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے۔

دوم کا جواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ دو مختلف جگہ کی ایسی عبارتوں کو جن کے معنی مختلف ہوں اس طرح ایک کرنا کہ معنی بدل جائیں ضرور دجل ہے فریب ہے۔ مثلاً دو آیتیں ہیں

ان الابرار لفی نعیم ۰ وان الفجار لفی جحیم ۰ ان میں لفی نعیم حذف کرکے پڑھا جائے تو صریح کفر ہے۔ کیونکہ پہلے معنی یہ تھے۔ بیشک نیک لوگ نعمت میں ہیں اور بیشک بدکار جہنم میں ہیں۔ اور اب معنی یہ ہوئے۔ بیشک نیک اور بد جہنم میں ہیں۔

لیکن اگر دو مختلف جگہ کی عبارتوں کو اس طرح کچھ حذف کرکے ملا دیا جائے کہ معنیٰ میں کچھ تفاوت نہ ہو تو نہ دجل ہے نہ فریب۔ بلکہ لمبی عبارت کے مختصر کرنے کا یہی طریقہ ہے مثلاً سورہ حج میں فرمایا۔ فالذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت فی جنّٰت النعیم[۵۰] تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہ نعمت والے باغوں میں رہیں گے۔

اور سورہ ملک میں ہے۔

ان الذین یخشون ربہم بالغیب	اور جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے
لھم مغفرۃ واجر کبیر (۱۲)	ہیں انکے لئے مغفرت اور بھاری اجر ہے۔

اب کوئی یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے جو لوگ مومن اور صالح ہیں اور جو لوگ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہتے ہیں ان سب کیلئے بخشش اور بھاری اجر ہے۔ تو کیا یہ کلمۂ کفر ہے، ہرگز نہیں۔ کون دیندار اسے کلمۂ کفر کہہ سکتا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی بقول آپ کے پہلے کا مسند الیہ حذف کرکے صرف دوسری آیت کا مسند الیہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قرآن مجید میں بالقصد اس قسم کی تبدیل، تحریف لفظی ہے جو کفر ہے۔ مگر تحریف لفظی ہونا اور قرآن مجید میں اس کے بالقصد ارتکاب کا کفر ہونا اور بات ہے۔ اور مضمون کا کفر ہونا اور بات ہے۔ کیا تحذیر الناس بھی قرآن کی طرح منزل من اللہ ہے؟ کہ اسمیں بھی معنی باقی

رکھتے ہوئے لفظ کو بدلنا کفر ہے۔ چلئے اپنی بول چال کی مثال لے لیجئے۔

ولید نے کہا اگر اللہ عزوجل کے علاوہ ہزاروں معبود ہوں تو بھی اللہ کا وحدہٗ لا شریک رہنا باقی رہتا ہے۔ اور اگر لات وہبل، رام وکرشن خدا ہوں تو بھی وحدانیت الہیہ میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ ولید کے ان دونوں شرکیہ اقوال کی حکایت عمرو نے یوں کی۔ ولید کہتا ہے۔ اگر اللہ کے علاوہ ہزاروں معبود ہوں۔ لات وہبل، رام وکرشن خدا ہوں تو بھی وحدانیت الہیہ میں کوئی فرق نہیں آئیگا، توکون ایمان دار خدا ترس ہے جو اسے خیانت، فریب اور دجل کہیگا۔

سیدھی بات ہے کہ جب دونوں جملوں میں بقول آپ کے مسندالیہ[1] معنًی متحد ہیں صرف الفاظ بدلے ہوئے ہیں تو صرف ایک مسندالیہ کو ذکر کرنا نہ خیانت ہے نہ فریب ہے۔ اس فرق کو آپ بھی بخوبی جانتے ہیں مگر تحذیرالناس کے کفری مضمون سے عوام کا ذہن ہٹانے کے لئے بالقصد آپ نے یہ سب لکھا ہے۔

حسام الحرمین میں پہلی صورت نہیں دوسری ہے۔ اس لئے اسے دجل فریب کہنا خود دجل فریب ہے۔ ناظرین ص۱۴ اور ص۲۸ کی عبارتوں کو بار بار پڑھ چکے ہیں پھر ایک نظر ڈالیں ص۱۴ کی عبارت یہ ہے

"بالفرض آپکے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو توجب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

اور ص۲۸ کی عبارت یہ ہے

"اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔"

حسام الحرمین میں دونوں صفحات کی ابتدائی عبارت کا خلاصہ بعینہ ہے۔ اور نہ اس پر

[1] تحذیرالناس ص۱۴ اور ص۲۸ دونوں کی عبارتیں جملہ شرطیہ ہیں۔ ص۱۴ پر۔ جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ اور ص۲۸ پر۔ پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ جزا ہے مگر سنبھلی صاحب نے اسے مسندالیہ بتایا ہے مگر اسکی اس گرانی قدر تحقیق سے کیا شکایت جو بریلی کے مناظرے میں تعلیق بالمحال کو۔ تالیق بالمحال لکھ چکا ہو۔

نانوتوی صاحب کے کسی نیازمند کو اعتراض ہے البتہ تحذیرالناس کے بعد کے حصے کے الفاظ بدلے ہوئے ہیں مگر معنیٰ دونوں کے ایک ہیں

ص۱۴ پر ہے۔ "آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

اور ص۲۸ پر ہے۔ "خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔" یہ دونوں ہم معنی ہیں۔ اب خواہ یہ کہو کہ۔ آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ خواہ یہ کہو۔ خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ مفہوم اور مطلب میں کوئی فرق نہیں۔ پھر اختصار کے لئے دو ہم معنی عبارتوں میں سے ایک کو ذکر کر دیا تو اس میں کیا نقص ہے۔

اس کو یوں ذہن نشین کیجئے۔ کسی مجلس میں زید اور عمرو اخیر تک شریک رہے۔ بکر نے اس کو یوں بیان کیا۔ اس مجلس میں زید موجود رہا۔ اور عمرو بھی شریک رہا۔ بکر سے سُنکر خالد نے کہیں یوں کہا۔ اس مجلس میں زید اور عمرو دونوں شریک رہے۔ بولئے کیا فرق پڑا کیا تحریف ہوئی۔ کیا تبدیلی ہوئی۔ کہ دجل و فریب ہوگیا۔

اس کو علمی رنگ میں یوں سمجھئے۔ دو مختلف شرطوں کی جزا اگر متضاد ہوں جب تو ضروری ہے کہ ہر شرط کیساتھ اس کی جزا کو ذکر کیا جائے۔ ایک شرط کو حذف کرکے دوسری اس کی متضاد شرط کو دونوں کی جزا قرار دینا ضرور تحریف ہے۔ لیکن اگر دو مختلف شرطوں کی جزا ہم معنی ہوں تو اختصار کے موقعہ پر ان دونوں جزا میں سے صرف ایک کو ذکر کرنا نہ دجل ہے نہ فریب ہے، بلکہ اختصار کا یہی طریقہ ہے۔ یہی حسام الحرمین میں ہوا ہے۔ یہاں دونوں جزا۔ "آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے" اور خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئیگا، ہم معنی ہیں۔ اگر اختصار کے لئے صرف دوسری ذکر کی اور پہلی چھوڑ دی تو نہ معنی میں تبدیلی ہوئی اور نہ کوئی دجل ہوا نہ فریب۔

اگر [illegible] بھی [illegible] کے نیازمندوں کو اطمنان نہ ہو تو نوٹ کریں تحذیرالناس

ص۱۴ پر حاشیے پر ہے

"یعنی اگر بالفرض آپ کے زمانے میں یا بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی فرض کیا جائے تو بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئیگا۔"

وہی بزرگ جو[1] "حسام الحرمین" کے اختصار کو دیدہ دلیری، جعلسازی کہہ رہے ہیں۔ خود اسی دیدہ دلیری اور جعلسازی کا ارتکاب اسی رسالے میں کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو

"کہ یہ ایسی خاتمیت ہے کہ اگر بفرض آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی ہو تب بھی آپ کی اس خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ (فیصلکن مناظرہ ص۴۹)

ناظرین انصاف کریں۔ تحذیر الناس کے حاشئے اور آنجناب کی عبارتیں۔ حسام الحرمین میں نقل کردہ عبارت کی کاپی ٹو کاپی ہے۔ ان دونوں عبارتوں میں بھی ص۱۴ اور ص۲ کے پہلے فقروں کو توڑ پھوڑ کر ایک ہی فقرہ بنا ڈالا گیا ہے۔ اس طرح کہ پہلے فقرے کا مسندالیہ حذف کیا اور دوسرے ہی کے مسندالیہ کو پہلے کا بھی سندالیہ بنا دیا۔ جس کے بعد کسی کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف جگہ کی عبارتیں ہیں۔

اگر بقول آپ کے حسام الحرمین میں دیدہ دلیری، جعلسازی کی انتہا ہے۔ تو پھر تحذیر الناس کے حاشئے میں اور خود آپ نے بھی دیدہ دلیری اور جعلسازی کی انتہا کر دی ہے۔

رہ گیا۔ آپ کا شروع میں ۔۔ یہ ایسی خاتمیت ہے ۔ کا ۔ اور بیچ میں ۔۔ اس ۔ کا اضافہ تو اس سے کیا فائدہ۔ جب آپ کے خیال میں ص۱۴ اور ص۲ کی عبارتوں کے مسند کو اکٹھا کر کے صرف ص۲ کے مسندالیہ کو دونوں کا مسندالیہ قرار دینا توڑ پھوڑ ہے تو وہ اب بھی موجود ہے۔ اس اضافے سے توڑ پھوڑ ختم ہوئی یا اور بڑھ گئی۔

تیسری وجہ تیسرا یہ اعتراض ہے کہ تحذیر الناس ص۳ کی عبارت اس طرح تھی۔

"مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں"

مگر حسام الحرمین میں اس کا عربی ترجمہ یوں کیا گیا ہے "لافضل فيه اصلا"، اسمیں کچھ فضیلت نہیں"، ظاہر ہے کہ بالذات فضیلت کی نفی سے بالکلیہ فضیلت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ بالعرض فضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔ اس پر یہ صاحب بہت خفا ہیں۔ اسے نہایت

[1] یہ سارے کلمات طیبات جناب منظور سنبھلی صاحب کے ہیں جو انھوں نے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کیلئے استعمال کئے ہیں۔

افسوسناک خیانت قرار دیا ہے۔

جواب اس پر گذارش ہے کہ یہ آپ کی غایت درجہ کی مہربانی ہے کہ آپ نے حسام الحرمین کی اس عبارت کو تحذیر الناس کی مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ قرار دیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ

حسام الحرمین میں تحذیر الناس کی طول طویل عبارت کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ لفظی ترجمہ نہیں ہے۔ ہم نے ابتدا میں تحذیر الناس کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ ناظرین اسے دوبارہ پڑھ لیں۔ تحذیر الناس میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہی۔

" پھر مقام مدح میں ولکن رسول الله وخاتم النبیین کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے ص۳"

اگر واقعی نانوتوی صاحب کے عقیدے کے مطابق آخری نبی ہونے میں کچھ بھی فضیلت ہوتی۔ بالذات نہ سہی بالعرض تو ان کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوتا۔ کہ پھر مقام مدح میں خاتم النبیین کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مقام مدح میں جیسے وہ اوصاف ذکر کئے جاتے ہیں جو بالذات فضیلت ہیں۔ اسی طرح وہ اوصاف بھی مذکور ہوتے ہیں جو بالعرض فضیلت ہیں۔ جیسے نانوتوی صاحب کے نزدیک دیگر انبیاء کرام موصوف بوصف نبوت بالعرض ہیں۔ اور ان کی نبوت کو قرآن واحادیث میں مقام مدح میں ذکر فرمایا گیا۔ اسلئے ماننا پڑیگا کہ نانوتوی صاحب نے "بالذات" کی قید اسی دن کے لئے ذکر کی تھی۔ ورنہ وہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ آخری نبی ہونے میں قطعاً کوئی فضیلت نہیں نہ بالذات اور نہ بالعرض۔ انھوں نے خود بعد میں بالکل واضح کر دیا ہے

" ہاں اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔"

دیکھئے! کیا صریح دو ٹوک صاف صاف فیصلہ ہے "کہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی"، یعنی

خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس وصف یعنی آخری نبی ہونے کو اوصاف مدح میں سے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے دوسرے الفاظ میں اس کی یہ تعبیر ہوگی کہ آخری نبی، وصف مدح نہیں۔ جس کا حاصل یہی ہوا کہ اس میں کچھ فضیلت نہیں۔ نہ بالذات نہ بالعرض۔ اگر اب بھی کچھ تردد ہے تو آگے بڑھیئے۔ اس کے ایک سطر بعد ہے۔

"آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب سکونت وغیرہ اوصاف میں جنکو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے۔"

پہلی عبارت میں کچھ ایچ پیچ تھا تو اس عبارت نے اسے بھی ختم کر کے صاف صاف غیر مبہم الفاظ میں بتا دیا کہ آخری نبی ہونا ان اوصاف کی طرح ہے جنکو فضائل میں کچھ دخل نہیں۔

کوئی بھی دیانت دار مجھے بتائے کہ ۔ فضائل میں کچھ دخل نہیں ۔ کا ترجمہ یا خلاصہ ۔ لا فضل فیہ اصلا کے سوا اور کیا ہوگا۔ نانوتوی صاحب اپنے نیازمندوں کی طرح نہیں تھے کہ اپنے دل کی بات چھپائے رکھتے۔ اور آگے بڑھئے لکھتے ہیں۔

"دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نقصان قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔"

اس عبارت نے نہایت جرأت و صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ آخری نبی ہونا کمال نہیں بلکہ یہ ایسے ویسے گئے گزرے لوگوں کے اس قسم کے احوال میں سے ہے جو کمال نہیں۔ اس عبارت کا بھی ماحصل یہی ہوا کہ آخری نبی ہونے میں کچھ فضیلت نہیں۔ کمال نہ ہونا، فضیلت نہ ہونا ایک ہی بات ہے۔

یہ بزرگ تو یہ سب لکھنے کے بعد حج کر کے اللہ والے ہو چکے ہیں۔ مگر نانوتوی صاحب کے ہر نیازمند سے میرا سوال ہے کہ کیا ان تینوں عبارتوں کے ہوتے ہوئے یہ کہنا واقع کے

عین مطابق نہیں ؟ کہ نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس ص۳ پر یہ کہا ہے کہ ۔ "آخری نبی ہونے میں کچھ فضیلت نہیں" اور ابتداءً بالذات کی قید صرف ایک ٹٹی ہے جو صرف اس لئے کھڑی کی گئی ہے کہ وقت پر اس کی آڑ لیجائے۔

نیز یہ کہ ان تینوں عبارتوں کے ہوتے ہوئے ۔ حسام الحرمین کی عبارت کو نہایت افسوسناک خیانت کہنا تحذیر الناس کے مفہوم کی تبدیل، تغیر اور تحویل نہیں تو اور کیا ہے؟

درون خانہ اعتراف

ہر شخص جانتا ہے کہ مصنف اپنی مراد کما حقہ سمجھتا ہے۔ نانوتوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے ایک معتمد خصوصی کو لکھا ہے ۔ "معنیٰ خاتم النبیین در نظر ظاہر پرستان ہمیں باشد کہ زمانہ نبوی آخر است از زمانہ گذشتہ ۔ باز نبی دیگر نخواہد آید۔ مگر می دانی کہ ایں سخنے است کہ مدحی است و در آں نہ ذمے ۔ (قاسم العلوم ص۵۵ مکتوب اول بنام مولوی محمد فاضل"۔

ترجمہ :۔ خاتم النبیین کا معنیٰ سطحی نظر والوں کے نزدیک تو یہی ہے کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ انبیاء کے زمانے سے آخر کا ہے اور اب کوئی نبی نہیں آئیگا مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایسی بات ہے کہ اسمیں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو کوئی تعریف ہے اور نہ کوئی برائی۔

(انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم ص۵۵)

ناظرین! انصاف کریں۔ یہاں بات گھر کے اندر ہو رہی ہے تو اپنے معتمد کے یہاں صاف صاف لکھدیا کہ مدحے است و در آں نہ ذمے۔ کہ اس میں نہ کوئی مدح ہے نہ کوئی ذم۔ یہاں بالذات کی قید اڑا دی۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ تحذیر الناس میں بالذات کی قید صرف دھوکے کی ٹٹی ہے۔ ان کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ آخری نبی ہونے میں کوئی مدح کوئی فضیلت نہیں۔ اب بھی اگر نانوتوی صاحب کے نیازمند اس پر مصر ہیں کہ "حسام الحرمین" میں بالذات کی قید نہ ذکر کرنا خیانت ہے تو انہیں کہنا پڑے گا کہ نانوتوی صاحب خود

اس خیانت کے مرتکب ہیں۔

تحذیر الناس میں نانوتوی صاحب نے خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی بتانے والوں کو عوام، نادان، بے فہم کہا۔ مکتوب میں ظاہر پرست، سطحی نظر رکھنے والے جبکہ خاتم النبیین کا صحیح معنی خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا صحابہ نے بتایا، تابعین نے بتایا، حتیٰ کہ پوری امت نے بتایا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ، کل تابعین اور پوری امت، عوام کم فہم، نادان، ظاہر پرست سطحی نظر رکھنے والی ہے۔ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عوام، کم فہم، ظاہر پرست کہنے کے باوجود نانوتوی صاحب کا ایمان سلامت رہا؟

نانوتوی صاحب کے تمام نیازمند شروع سے کہتے آرہے ہیں کہ— نانوتوی صاحب تو اسی تحذیر الناس میں اور اپنے دوسرے کتابچوں میں یہ لکھ چکے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کا جو انکار کرے وہ کافر ہے پھر خود کیسے اس کا انکار کر سکتے ہیں۔

یہ کوئی لاینحل بات نہیں ہے۔ اس کی نظیر مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ جس نے نانوتوی صاحب کی اس نکتہ سنجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مگر وہ بھی یہی کہتا ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر الانبیاء نہ مانے وہ کافر ہے کیا قادیانیوں کی اس تضاد بیانی سے مان لیا جائے کہ واقعی وہ ختم نبوت کے منکر نہیں۔

قادیانی دیوبندی اتحاد

قادیانی دجال نے اپنے کتابچے "بحث خاتم النبیین" ص۹ پر لکھا۔

"اگر یہی معنیٰ جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ نہیں ہیں۔ اور خاتم النبیین کا معنیٰ نبیوں کا ختم کرنے والا ہے تو یہ نہ کوئی فضیلت کی بات ہے اور نہ کوئی کسی قسم کی خصوصیت، حضرت سرور کائنات کی ثابت ہوتی ہے کیونکہ آخری نبی ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں۔ برخلاف اس کے جو معنیٰ ہم نے پیش کئے اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام

نبیوں پر ثابت ہے۔

اب ناظرین تحذیر الناس کی ص۳ والی عبارت سے "قادیانی دجال" کی اس عبارت کا موازنہ کریں۔ سوائے لب ولہجہ کی پیچیدگی اور الفاظ کے اختلاف کے دونوں کے معنیٰ ایک ہیں۔ اب فیصلہ آپ حضرات کو کرنا ہے کہ مذکورہ بالا عبارت لکھنے کیوجہ سے قادیانی دجال کیوں کافر ہے اور اسی کے ہم معنیٰ عبارت لکھنے کے باوجود نانوتوی صاحب کیسے حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات کے منصب رفیع پر فائز رہے۔

قادیانی دجال کی مزید ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتا ہے۔

"آٹھویں شہادت اس زمانے کے مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی محدث اعلیٰ دیوبند ضلع سہارنپور اپنی کتاب تحذیر الناس کے متعدد مقامات پر مثلاً ص۲ پر فرماتے ہیں — بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئیگا۔" (خاتم النبیین ص۱۶)

ایک اور اس دجال کے امتی کی سنیئے۔ لکھتا ہے

مولوی قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس ص۲ پر فرماتے ہیں۔ بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا۔ پس آنحضرت کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کی شریعت کا کامل ہونا کسی طرح سے بھی ظلی نبوت کے دروازوں کو بند نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس پورے طور سے کھول دیتا ہے۔

(تبلیغی ٹریکٹ ختم نبوت مطبوعہ قادیان ص۱۵)

دیکھئے یہ سب کس خوشی سے تحذیر الناس کی عبارت اپنی تائید میں پیش کر رہے ہیں۔ کیا نانوتوی صاحب کے کسی کفش بردار کے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔ وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی اعدت للکافرین۔ ان کفریات کے باوجود نانوتوی صاحب کی طرح وہ بھی لکھتا ہے

"میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ

سنت جماعت کا عقیدہ ہے، ان سب کو مانتا ہوں جو قرآن وحدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں۔ اور سیدنا مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔

(مرزا غلام احمد کا اشتہار، مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۲ ص ۲)

بقدر نصاب شہادت ایک اور اقرار سماعت فرمایئے؛

ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہلسنت وجماعت کا مذہب ہے۔ اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار کرتا ہوں۔ اس خانہ خدا (جامع مسجد دہلی) میں کرتا ہوں ــــ کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں۔ اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔" مرزا غلام احمد قادیانی کا تحریری بیان، جو بتاریخ ۲۳ اکتوبر جامع مسجد دہلی کے جلسۂ عام میں دیا گیا ہے۔ مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص ۴۴

اب نانوتوی صاحب کے نیاز مند بولیں۔ کیا ان بیانوں سے قادیانی مسلمان ہو گیا۔ ختم نبوت کا کفر اٹھ گیا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو نانوتوی صاحب کا کفر کیسے اٹھا۔ وجہ فرق بتائیں۔

تحذیر الناس کی عبارت آپ کے سامنے ہے۔ اسمیں ص ۳ ص ۴ پر صاف ہے تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ یہ اوصاف مدح سے نہیں۔ اسے فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ یہ ایسے ویسے لوگوں کے گئے گذرے احوال کی طرح ہے۔ ص ۹ پر ہے۔

کہ بنا رخاتمیت اس پر ہے۔ کہ آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں۔ ص ۱۴ پر ہے کہ اگر بالفرض آپکے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئے گا۔

ان صریح غیر مبہم عبارتوں کے ہوتے ہوئے بھی کسی شبہے کی گنجائش ہے کہ نانوتوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کے منکر نہیں۔ رہ گیا دوسرے مواقع پر اقرار یہ اس کفر کو اٹھا نہیں سکتا جبتک کہ اس کفر سے توبہ نہ کیجائے۔

نانوتوی صاحب کے انکار ختم نبوت کی

ایک اور شہادت

نانوتوی صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں اپنے معتمد خصوصی کو دل کا راز یوں لکھا۔

دمی دانی کہ بعد انتفاع کلام ربانی ازیں جہاں فانی آمدن قیامت تقدیر یافتہ ورنہ بشرط بقائے عالم آں وقت اگر نبی دیگر می آید، مضائقہ نبود

(قاسم العلوم۔ مکتوب اول بنام مولوی فاضل ص ۵۶)

اور تم جانتے ہو کہ کلام ربانی (قرآن مجید) کے اس دار فانی سے اٹھ جانے کے بعد قیامت کا آنا مقدر ہو چکا ہے ورنہ بشرط بقاء عالم اسوقت اگر دوسرا نبی آجائے تو مضائقہ نہیں۔

یعنی جب قرآن مجید دنیا سے اٹھا لیا جائے اگر اسوقت فوراً قیامت نہ آئے تو دوسرا نبی آسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نانوتوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اسوقت تک خاتم النبیین جانتے ہیں جبتک قرآن مجید دنیا میں باقی رہے۔ اور جب اٹھا لیا جائے تو خاتم النبیین نہیں۔ اس کے بعد بھی دنیا باقی رہے تو دوسرا نبی آسکتا ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قرآن مجید دنیا سے اٹھاتے ہی فوراً بلا تاخیر قیامت آے گی یا کچھ وقفے کے بعد۔ اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قیامت کچھ وقفے کے بعد آئے گی تو اس وقفے میں بقول نانوتوی صاحب نبی آسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہم دیوبندیوں کے مسلم الثبوت حکیم الامت جناب تھانوی صاحب کی تحقیق ذکر کر رہے ہیں۔ ناظرین اسے پڑھیں اور سر دھنیں۔ مقبول بہشتی زیور حصہ ہفتم ص ۴۷ پر ہے۔

"جب سب مسلمان مرجائیں گے اس وقت کافر حبشیوں کا ساری دنیا میں عمل دخل ہوگا۔ قرآن شریف دلوں سے اور کاغذوں سے اُٹھ جائے گا اور کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہیگا (الی ان قال) اور اسوقت دنیا کو بڑی ترقی ہوگی۔ تین چار سال اسی حال سے گزریں گے کہ دفعۃً جمعہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ صبح کے وقت سب لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہوں گے کہ صور پھونک دیا جائے گا۔"

نانوتوی صاحب نے اپنے معتمد خصوصی سے ایک راز نہانی کہا۔ کہ دنیا سے قرآن مجید کے اٹھ جانے کے بعد اگر دنیا باقی رہے گی تو دوسرا نبی آسکتا ہے۔ تھانوی صاحب نے بتا دیا کہ دنیا سے قرآن مجید کے اُٹھ جانے کے بعد بھی تین چار سال دنیا باقی رہے گی۔ نتیجہ ظاہر کہ ان تین چار سال میں دوسرا نبی آسکتا ہے۔

کہاں گئے دیوبندیوں کے شیخ الاسلام ٹانڈوی صاحب اور مایہ ناز مناظرین بجنوری اور سنبھلی صاحبان۔ اب بتائیں کہ آپ لوگوں نے تو یہ دعوی کیا تھا کہ نانوتوی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کو جائز مانے وہ کافر ہے۔ دیکھئے نانوتوی صاحب کو جس پر مکمل اعتماد تھا کہ یہ راز نہاں فاش نہیں کرے گا اسے کیسے بتا دیا کہ۔ میرا اصل عقیدہ یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیا نہیں۔ حضور کے بعد کوئی نبی آجائے تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ چونکہ اس وقت اس میں قرآن مجید مخل ہے۔ کوئی نبوت کا دعوی کریگا تو لوگ قرآن کی آیت کریمہ خاتم النبیین سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کردیں گے۔ بس قرآن کے اٹھنے کا انتظار کرو۔ جب قرآن اٹھ جائیگا تو نبی آسکتا ہے۔ مگر کوئی اسکا کچھ بگاڑ نہیں سکے گا۔ اس پر جو بندش تھی قرآن کیوجہ سے تھی۔ جب قرآن ہی نہ ہوگا تو پھر بندش کیسی کہ گو میں نے اس بندش کے توڑنے میں اپنی پوری ذہنی توانائی صرف کردی مگر بُرا ہو مولویوں کا کہ انھوں نے میری بندش کا ایک ایک تار و پود ادھیڑ کر پھینک دیا۔

انور شاہ کشمیری کی نانوتوی صاحب کیخلاف تحقیق

انور شاہ کشمیری صاحب کی حیثیت دیوبندی جماعت میں صرف ایک عالم کی نہیں جمعیۃ العلماء کی ہے محدث، فقیہ، متکلم، ادیب وغیرہ وغیرہ سارے علوم و فنون کی ایک لائبریری کی ہے۔ وہ نانوتوی صاحب کی اس توجیہہ کا رد کرچکے ہیں کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں بالذات اور بالعرض۔ اور جب یہ تقسیم صحیح نہیں تو خاتم النبیین کا معنی نبی بالذات لینا باطل اور پھر تحذیر الناس کی پوری عمارت زمیں بوس۔

انور شاہ کشمیری صاحب اپنے رسالہ خاتم النبیین ص۳۴ پر لکھتے ہیں:

وارادۂ ما بالذات وما بالعرض عرف فلسفہ است نہ عرف قرآن مجید و حوار عرب و نہ نظم قرآن را ہیچگونہ ایما و دلالت براں پس اضافۂ استفادۂ نبوت زیادت است بر قرآن بمحض اتباع ہوی۔	یعنی ما بالذات اور ما بالعرض کا ارادہ (جیساکہ تحذیر الناس میں ہے) فلسفہ کا عرف ہے قرآن مجید کا عرف یا عرب کا محاورہ نہیں اور نہ نظم قرآن کا اسکی طرف کوئی اشارہ ہے۔ پس اضافۂ استفادہ نبوت محض اتباع ہوی کیوجہ سے قرآن پر زیادتی ہے۔

یہی انور صاحب اسی مضمون کو اپنے ایک دوسرے رسالہ عقیدۃ الاسلام میں ص۲۵۶ پر لکھتے ہیں:

واما الختم بمعنی انتہاء ما بالعرض الی ما بالذات فلا یجوز ان یکون ظہر ہذہ الایۃ لان ہذا المعنی لا یعرفہ الا اہل المعقول والفلسفۃ والتنزیل نازل علی متفاہم لغۃ العرب لا علی الذہنیات المخرجۃ۔

دیکھئے یہ بھی نانوتوی صاحب کے بہت خاص نیاز مند ہیں۔ مگر تحذیر الناس نے جو قرآن مجید کی تمام امت کیخلاف تفسیر بالرائے کی اسے رد کر رہے ہیں۔ صرف رد ہی نہیں اسے اتباع ہوی یعنی خواہش نفسانی کی پیروی میں قرآن مجید پر زیادتی قرار دے رہے ہیں

کیا دیوبندیوں کے نزدیک تمام امت کی قطعی، اجماعی تفسیر کیخلاف اتباع ہویٰ سے قرآن مجید پر زیادتی کرنے والا بھی مسلمان ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

غالبًا انور صاحب کا یہی جرم وہ جرم نابخشیدہ تھا جس کی سزا میں دارالعلوم دیوبند چھوڑنا پڑا جس کو وہ بڑی حسرت و یاس سے کہا کرتے تھے کہ ہم نے کلمۂ حق کہا تو! سکی وجہ سے یہاں ڈابھیل میں آنا پڑا۔

نانوتوی صاحب کے نیازمندوں کے بس میں جو سزا تھی وہ تو انھوں نے ان کے ہر مخالف کو دیدی اور دے رہے ہیں اور آئندہ بھی دیں گے۔ مگر اس سے نہ تو تحذیرالناس کی مذکورہ بالا عبارتیں ایمانی ہوجائیں گی اور نہ کفر اٹھ جائیگا۔ دار جزا دنیا نہیں آخرت ہے

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

گنگوہی اور انبیٹھی صاحبان کی مشترکہ کفری عبارت

جب دیوبندیوں نے میلاد، قیام، نیاز و فاتحہ، عرس کیخلاف پوری طاقت سے مہم چلائی اور اہلسنت کے معمولات کیخلاف متعدد فتاوی، کتابچے شائع کئے تو حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ دلائل و براہین سے ان معمولات کے ثبوت میں ایک مبسوط کتاب انوار ساطعہ لکھی۔ جس پر گنگوہی صاحب کو بہت طیش آیا اور انھوں نے اس کے رد میں براہین قاطعہ لکھی۔ اور اپنے مرید و خلیفہ خلیل احمد صاحب انبیٹھی کے نام سے چھپوائی۔ یہ کتاب گنگوہی صاحب ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے مورخ عاشق الٰہی میرٹھی نے اسے ان کی تصنیفات کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> براہین قاطعہ — یہ انوار ساطعہ کا جواب اور رد بدعات و تحقیق سنت میں وہ لاثانی کتاب ہے جس کو حضرت کے کمالات علمیہ وعملیہ کا مظہر کہیں تو بجا ہے، سنت کے عشق میں جو غصیا وہ انداز اور شان جلالی کا اظہار اس میں نظر آتا ہے دیگر تصانیف میں کم ہے۔

(تذکرۃ الرشید جلد ۲ صفحہ ۱۴۲)

رہ گیا ابتداء میں جو لکھا ہے کہ یہ کتاب حضرت امام ربانی کے حکم سے لکھی گئی ہے۔ اگر بیچارہ اتنا بھی نہ لکھتا تو کیا پوری جماعت کے اجتماعی جھوٹ کی دستاویز لکھدیتا۔

علاوہ ازیں گنگوہی صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ اس کتاب مستطاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا۔ الحق بندہ کے نزدیک یہ رد اور جواب کافی اور الزام حجت وافی ہے۔ (پشت براہین قاطعہ)

تو اس کتاب کے جملہ مضامین کی ذمہ داری گنگوہی صاحب پر بھی ضرور عائد۔ نیز یہ جب صراحۃً قبول ہے کہ ان کے حکم سے لکھی گئی ہے۔ تو بھی وہ اس کے ذمہ دار ہیں اسلئے بہ نظر اختصار ہمارا خطاب گنگوہی صاحب سے ہوگا۔ ماموریوں بھی آمر کے تابع ہوتا ہے برعکس اسلئے نہیں کیا کہ مامور کے تابع آمر نہیں ہوتا نیز بے ادبی بھی ہے۔

مولوی عبدالجبار عمرپوری دیوبندی نے لکھا تھا:

حضرت کی نسبت یہ اعتقاد کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے تشریف لاتے ہیں' شرک ہے۔ ہر جگہ موجود اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ سبحانہ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔" (انوار ساطعہ بالائے براہین قاطعہ ص ۵۲)

نانوتوی، گنگوہی، تھانوی صاحبان کے پیر بھائی مولانا عبدالسمیع صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ نے۔ انوار ساطعہ میں اس کو دو طریقے سے رد فرمایا۔ ایک یہ کہ جہاں جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں وہاں تشریف لانے کا مطلب ہر جگہ موجود ہونا کہاں ہے؟ دوسرے زمین میں ہر جگہ تشریف لیجانے کو اللہ عزوجل کا خاصہ جاننا باطل ہے۔ شرق سے غرب تک ہر روح کو حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام قبض کرتے ہیں' ہر مکان کو رات دن دیکھتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا ان کے آگے مثل چھوٹے سے خوان کے کردی ہے۔ یہ تو ایک فرشتۂ مقرب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب مخلوق اور غیر اللہ کو یہ قدرت دی گئی ہے تو ہرگز یہ

خاصۂ الوہیت نہیں۔ اور جب یہ خدا کی خاص صفت نہیں تو اگر رسول کیلئے کوئی اسے مانے تو ہرگز یہ شرک نہیں۔

اس رد کا گنگوہی صاحب سے کوئی جواب نہیں بن پڑا اور نہ قیامت تک کسی سے بن پڑے گا۔ گنگوہی صاحب نے اس رد کو استدلال ٹھہرایا یعنی یہ کہ مولانا عبدالسمیع صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ موجود ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ۔ جب شیطان اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہیں تو حضور چونکہ ان دونوں سے افضل ہیں اسلئے وہ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ حالانکہ مولانا موصوف پر یہ کھلا ہوا افتراء ہے۔ مولانا موصوف نے جناب عمرپوری پر نقض وارد فرمایا تھا۔ نہ کہ اپنے مدعا پر استدلال فرمایا تھا۔ مگر ان بزرگوں کی یہ عادت متوارثہ ہے کہ جہاں گاڑی پھنستی ہے اپنے حریف پر افترا کرنے سے نہیں چوکتے بہر حال گنگوہی صاحب نے اس نقض کو استدلال ٹھہرا کر اس پر لکھا

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھکر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ کہ شیطان و ملک الموت کو یہ (علم کی) وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے

(براہین قاطعہ ص ۵۵)

اس پر ہمارے مواخذے

(۱) زمین کا علم محیط گنگوہی صاحب نے شیطان اور ملک الموت کیلئے نص یعنی قرآن و حدیث سے ثابت مانا پھر اسی علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرک بتایا۔ اور یہ شرک اسی وقت ہوگا جبکہ اسے باری عزاسمہ کی صفت خاصہ مانیں۔ اور جب اسے اللہ عزوجل کی صفت خاصہ مانیں گے تو شیطان اور ملک الموت کیلئے اسے ثابت ماننے، وہ بھی نص سے ثابت ماننے، کا مطلب یہ ہوگا کہ شیطان اور ملک الموت خدا کے شریک ہیں۔ اور گنگوہی صاحب نے ان دونوں کے لئے ثابت مانا تو لازم کہ

انھوں نے شیطان اور ملک الموت کو خدا کا شریک مانا۔ یہ اس عبارت کا ایک صریح کفر اور شرک ہوا۔ مسلمانوں کو بات بات پر مشرک بنانے والے خود اسی گڑھے میں گرے۔

ع چاہ کن را چاہ در پیش

(۲) پھر اس کفر و شرک کو نص یعنی قرآن و حدیث سے ثابت مانا۔ یہ دوسرا کفر ہوا۔

(۳) اخیر میں ہے

"شیطان اور ملک الموت کو یہ (علم کی) وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

یعنی شیطان اور ملک الموت کے علم کی وسعت اور زیادتی نص یعنی قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس لئے شیطان و ملک الموت کا علم وسیع اور زیادہ ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وسعت علم یعنی علم کا زیادہ ہونا چونکہ نص قطعی سے ثابت نہیں اور نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اس لئے حضور کے لئے وسعت علم ماننا شرک ہے۔

اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم زیادہ نہیں اب دونوں کو ملایئے۔ شیطان اور ملک الموت کا علم زیادہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم زیادہ نہیں۔ تو ثابت کہ شیطان کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ تکاد السموٰت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا۔ قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑیں۔ زمین پھٹ جائے اور پہاڑ ڈھ جائیں۔

لطائف

اس براہین قاطعہ میں چند مزید اور باتیں یہ ہیں۔

(۱) شیطان کی وسعت علم کے ثبوت کے لئے صرف نص پر قناعت کی گئی۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم کے لئے صرف نص کو کافی نہیں جانا۔ نص قطعی کا مطالبہ کیا گیا۔

(۲) اس کے برخلاف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کی نفی کے ثبوت کے لئے ایک بے اصل روایت کو پیش کیا اور اسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ

کی طرف منسوب کر دیا۔ عبارت مذکورہ بالا کے چند سطر پہلے ہے

"شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔"

یہ حضرت شیخ قدس سرہ پر افترا ہے۔ انھوں نے مدارج النبوۃ جلد اول ص۹ پر اس روایت کو بالکلیہ رد فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

اینجا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من بندہ ام نمی دانم آنچہ در پس این دیوار است جوابش آنست کہ این سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است۔

اس جگہ اشکال لاتے ہیں کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بندہ ہوں، میں نہیں جانتا کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس بات کی کوئی اصل نہیں اور یہ روایت صحیح نہیں۔

کیا کسی ایسے شخص سے جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔ ایسی جسارت ممکن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹانے کے لئے خود حضور پر جھوٹ باندھے اور من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے) کا بھی خوف نہ کرے۔ پھر جرأت بالائے جرأت یہ کہ جس بزرگ نے اسے رد فرمایا اسے راوی بتائے۔ مگر صاحب براہین نے جس مذہب کی بنیاد ڈالی ہے اسکی خشت اول ہی یہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس جماعت کے پیشواؤں نے اس پر جی کھول کر عمل کیا ہے۔ گنگوہی صاحب کے مرید باصفا اور ان کے مذہب کے شیخ الاسلام حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے اپنے گالی نامے "الشہاب الثاقب" ص۹۸، ۹۹ میں لکھا۔

جناب شاہ حمزہ صاحب مارہروی مرحوم، خزینۃ الاولیا، مطبوعہ کانپور صفحہ پندرہ میں ارقام فرماتے ہیں

وہ علم غیب صفت خاص رب العزت کی جو عالم الغیب والشہادۃ

ہے۔ جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین۔
اس واسطے کہ آپکو بذریعہ وحی کے علوم مخفیہ کا علم ہوتا تھا جسے غیب کہنا
گمراہی ہے۔ ورنہ جمیع مخلوقات نعوذ باللہ عالم الغیب ہے۔ انتہیٰ

اور حال یہ ہے کہ سلطان الواصلین سیدنا شاہ حمزہ قدس سرہ کی کوئی کتاب "خزینۃ الاولیاء" نام کی نہیں جو کانپور میں طبع ہوئی ہو جسمیں مذکورہ بالا عبارت ہو۔

اسی پر بس نہیں۔ یہی دیوبندیوں کے شیخ الاسلام اسی کتاب میں چند سطر بعد پھر اپنی ایک اور کرامت کا اظہار فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں

"علاوہ ازیں جناب بندہ درہم و دینار (اس سے ان کی مراد، اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ ہیں غالباً دیوبندی لغت میں یہ گالی نہیں) کے دادا یعنی مولوی رضا علی خانصاحب "ہدایت الاسلام" مطبوعہ صبح صادق سیتاپور صفہ ۲ میں فرماتے ہیں ـــ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بواسطہ تھا۔ یعنی بذریعہ وحی تعلیماً معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ علی قدر مراتب سب کو حاصل ہے اور علم غیب مطلق و بذات کا اعتقاد رکھنا مفضی الی الکفر ہے اور نص قطعی کے خلاف ـــ اسمیں تاویل اور ایر پھیر کرنا بے دین کا کام ہے۔"

یہاں بھی وہی قصہ ہے ـــ کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے جد کریم حضرت مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب "ہدایت الاسلام" نام کی نہیں جو مطبع صبح صادق سیتاپور میں چھپی ہو، جسمیں مذکورہ بالا عبارت ہو۔ یہ شیخ الاسلام صاحب تو اپنے ابدی مقر تشریف لے گئے۔ ان کے فرزندوں، شاگردوں، مریدوں میں سے کوئی صاحب مذکورہ بالا کتابوں کا ہمیں پتہ ہی بتا دیں کہ دنیا کی کس لائبریری میں ہیں ہم مشکور ہوں گے۔ ناظرین انصاف کریں جس کے مذہب کی بنیاد حقانیت پر ہوتی ہے کیا وہ اس طرح فرضی کتابیں فرضی عبارتیں اپنے عقیدے کی تائید میں گڑھا کرتا ہے۔ کیا جس کو اپنے مذہب کے حق ہونے کا یقین ہو گا وہ ایسی کرامتیں دکھائیگا۔ یہ جملہ معترضہ تو صرف ان اللہ والوں کے تعارف کے لئے تھا اب آیئے اصل بحث پر

تاویلات اور انکی حقیقت

گنگوہی صاحب کے نیازمندوں نے اپنی پوری ذہنی توانائی صرف کر کے ابتک، اس کی توجیہہ میں جو کہا ہے وہ یہ ہے؛

اعتراض اول کی توجیہہ اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ براہین کی اس عبارت میں شیطان اور ملک الموت کے لئے جو علم ثابت مانا اسی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرک بتایا۔ جس سے ثابت ہوا کہ گنگوہی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ شیطان اور ملک الموت اس وحدہٗ لاشریک کے شریک ہیں اور یہ قطعی یقینی کفر ہے۔ اس کفر کو دفع کرنے کے لئے ایک نیازمند صاحب نے دس مقدمے قائم کئے اور پھر توجیہہ میں یہ خامہ فرسائی کی کہ

"شیطان اور ملک الموت کے لئے جو ثابت مانا گیا ہے وہ علم عطائی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جسے

اس تاویل نے ہمارے اس یقین کو اور پختہ کر دیا۔ کہ گنگوہی صاحب کے نیازمندوں کے ضمیر کی آواز یہی ہے کہ یہ الزام بالکل حق ہے، ورنہ یہ لوگ اتنے سادہ لوح نہیں کہ یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ اس تاویل کا براہین کی اس عبارت سے اتنا بھی تعلق نہیں جتنا زمین کو آسمان سے ہے اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

پہلی وجہ خود گنگوہی صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم عطائی ماننا شرک ہے، تقویۃ الایمان کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے

"بندہ کے نزدیک سب مسائل اس (تقویۃ الایمان) کے صحیح ہیں۔ اگر کوئی اس کتاب کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے تو وہ مبتدع، فاسق ہے اور تمام تقویۃ الایمان پر عمل کرے (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ کراچی) تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اس کے استدلال بالکل کلام اللہ

اور احادیث سے ہیں اس کا رکھنا، پڑھنا، عمل کرنا عین اسلام ہے"

ایضاً ص۴۱، ۴۲

گنگوہی صاحب کے اس عین اسلام میں اشراک فی العلم میں لکھا ہے

"اس عقیدے سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ عقیدہ انبیاء سے رکھے خواہ بھوت سے، پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دیئے سے۔ ہر طرح شرک ہے۔ (تقویۃ الایمان ص۸)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ گنگوہی صاحب کو کیا مفید۔ کیا آپ گنگوہی صاحب کو تقویۃ الایمان نہ ماننے کی وجہ سے بتدع اور فاسق بنانا چاہتے ہیں۔ خیر اختیار بدست مختار۔ آگے بڑھئے۔

دوسری وجہ اختلاف کی بنیاد آپ کے مقتدا مولوی عبدالجبار عمرپوری کی یہ عبارت تھی۔

"ہر جگہ موجود اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ سبحانہٗ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی"

یہ عبارت اسمیں صریح ہے کہ عمرپوری صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صفت عطائی ہی کی نفی کی ہے اور اسی کو گنگوہی صاحب کے پیر بھائی اور تمام دیوبندی افراد کے چچا پیر مولانا عبدالسمیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انوار ساطعہ میں رد فرمایا۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہوا کہ انوار ساطعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عطائی ہی علم ثابت فرمایا، اسی کا رد کرتے ہوئے گنگوہی صاحب نے براہین میں اسے شرک بتایا۔ تو ثابت کہ گنگوہی صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم عطائی ماننا شرک ہے۔ اور یہی علم عطائی شیطان کے لئے گنگوہی صاحب نے ثابت مانا۔ تو آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہو گیا کہ گنگوہی صاحب نے شیطان نیز ملک الموت کو خدا کا شریک مانا

تیسری وجہ گنگوہی صاحب کا بھی دعویٰ ہے اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ ان کے برادر طریقت اور آپ لوگوں کے عم طریقت مولانا عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شیطان اور ملک الموت کی وسعت علم پر قیاس کر کے حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین کا علم محیط مانا ہے۔ اگر گنگوہی صاحب شیطان و ملک الموت کے لئے علم عطائی مانتے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم ذاتی کے اثبات کا رد کرتے تو اپنی فطرت سرشت کیمطابق فوراً کہدیتے کہ انوار ساطعہ کا مصنف مجنون ہے (جیساکہ اکثر مقامات پریوں ہی برسے ہیں)۔ اسے یہ بھی تمیز نہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کا علم عطائی ہے تو اس پر قیاس کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم ذاتی کیسے ثابت کر دیا ہے، کیا اسے یہ بھی خبر نہیں کہ قیاس میں مقیس علیہ کے حکم کو مقیس کے لئے ثابت کیا جاتا ہے اور یہاں مقیس علیہما کا علم عطائی ہے اور مقیس یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ذاتی۔ یہ نہ کہکر یہ کہنا کہ

"شیطان اور ملک الموت کے لئے وسعت علم ثابت ہے اور فخر عالم کے لئے کوئی نص قطعی نہیں بلکہ شرک ہے" اس سے گنگوہی صاحب نے صاف صاف بتا دیا کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم عطائی ماننے ہی کو شرک کہا ہے۔ اس لئے ہمارا اعتراض اپنی جگہ باقی ہے۔ اور ان کے نیازمندوں کی مذکورہ بالا توجیہ براہین کی عبارت سے بالکل ہی بے تعلق ہے۔

چوتھی وجہ گنگوہی صاحب نے ص۵۵ پر لکھا

"جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کے موافق ہوگا البتہ وہ مشرک ہے"

اب فیصلہ اس پر ہے کہ — انوار ساطعہ کے مصنف حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عطائی اور بالواسطہ علم مانتے ہیں یا ذاتی، اگر انھوں نے انوار ساطعہ میں کہیں علم ذاتی مانا ہو تو گنگوہی صاحب کے نیازمندوں کی تاویل درست۔ اور اگر علم عطائی اور بالواسطہ مانا ہو تو تاویل مذکور تاویل نہیں۔ گنگوہی صاحب کی عبارت کی تبدیل اور ان پر افترا ہے۔

پوری انوار ساطعہ پڑھ جائیے۔ کہیں بھی آپ کو یہ نہیں ملیگا کہ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب نے علم ذاتی کا دعویٰ کیا ہے۔ اور علم ذاتی کا دعویٰ کرتے بھی کیسے جبکہ انکا حریف علم عطائی کی نفی کر رہا ہے۔ انھوں نے صرف ایک جگہ نہیں متعدد جگہ صراحت کیساتھ

علم عطائی کا اثبات فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ براہین طبع دوم کے ص۲۰۳ لغایت ص۲۰۷
پر انوار ساطعہ کی جو عبارت منقول ہے اسمیں ایک جگہ ہے۔

"اہلسنت کا اعتقاد ہے کہ اصل عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو بلا تعلیم حق جانے ہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو خبریں غیب کی دیتا ہے۔"

اس کے بعد ہے

شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا —— "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر امتی کو جانتے ہیں کہ وہ کس درجے کا ہے۔ فرشتے خبریں پہنچاتے رہتے ہیں اور نور نبوت سے حضرت پہچانتے ہیں سب امتیوں کو۔"

اس کے بعد ہے

محفل شریف میں کثرت سے درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ جب جلسہ کا درود شریف پہنچاتے ہوں گے، پھر کیوں نہیں خبر ہوتی ہوگی۔ "اس جلسہ کی"

پھر لکھا

"فکر (غور) کرنا چاہئے ان حدیثوں میں۔ کہ امت کے اعمال پر مطلع کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روز جمعہ اجمالاً ۔ دوسرے ہر صبح شام تفصیل۔"

اس کے بعد ہے

خبر ہو گئی ان وسائط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس کے بعد لکھا

"آیات و احادیث و اقوال و مشائخ و علماء سے بخوبی ثابت ہو گیا۔ کہ انعقاد محافل میلاد کی آنحضرت صلی اللہ علیہ کو خبر بعض واسطوں سے پہنچ جاتی ہے۔"

انوار ساطعہ کی یہ عبارتیں انتہائی وضاحت کے ساتھ غیر مبہم طور پر بتا رہی ہیں۔ مؤلف

انوار ساطعہ نے علم عطائی ہی کو ثابت مانا ہے، اسی کو گنگوہی صاحب نے لکھا

"جس کا عقیدہ مولف کی تحریر کے موافق ہوگا البتہ وہ مشرک ہے"

تو ثابت ہو گیا کہ گنگوہی صاحب کا عقیدہ یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم عطائی ماننا شرک ہے اور اسی کو ص۵۵ پر لکھا

"فخر عالم کیلئے ثابت کرنا شرک نہیں تو ایمان کا کون سا حصہ ہے؟"

پانچویں وجہ براہین میں ص۵۵ پر ہے —— شیطان کو جو یہ وسعت علم دی۔" اور اسی پر قیاس کر کے حضور کے لئے ماننے کو شرک کہا گز رچکا کہ قیاس میں وہی حکم مقیس کے لئے ثابت مانا جاتا ہے جو مقیس علیہ کے لئے ثابت ہو۔ اور شیطان کے لئے علم عطائی ہے تو گنگوہی صاحب نے علم عطائی ہی کے اثبات کو شرک کہا۔

چھٹی وجہ دور کیوں جایئے اسی عبارت میں ہے۔ "شیطان کا حال دیکھکر علم محیط زمین کا فخر عالم کیلئے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔"

اور آپ کا دعویٰ ہے۔ کہ شیطان کے لئے علم عطائی ثابت کیا ہے۔ تو اس کا حال دیکھکر علم عطائی ہی ثابت ہوگا۔ اور اسی کو ایسا ۔ شرک ۔ کہا کہ اسمیں ایمان کا کوئی حصہ نہیں تو واضح ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم عطائی ماننے ہی کو گنگوہی صاحب نے شرک کہا۔

ساتویں وجہ یہیں متصل ہی آگے ہے "شیطان کو یہ (علم کی) وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔"

اس عبارت میں جس علم کو شیطان کے لئے نص سے ثابت مانا۔ اسی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی۔ اور اسے شرک کہا اس بنا پر کہ شیطان کے لئے نص ہے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نص قطعی نہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نص قطعی ہوتی تو مان لیتا۔ گنگوہی صاحب تو اب رہے نہیں یہ نیازمند

لوگ بتائیں۔ کیا گنگوہی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم ذاتی مان لیتے ؟ سامنے کی بات ہے اور آپ لوگوں کو بھی تسلیم ہے کہ شیطان کا علم عطائی ہے۔ اور اسی کی حضور سے نفی کی تو علم عطائی ہی کی نفی کی اور اسی کو شرک کہا

آٹھویں وجہ

صفحہ ۵۵ پر ہے

" شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔ عقائد مسائل کے قیاسی نہیں بلکہ قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں ۔ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ مولف قطعیات سے ثابت کرے ملخصاً۔"

یہ عبارت اس پر نص ہے کہ جس علم کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی کی، اسے اگر نصوص قطعیہ سے ثابت کیا ہوتا تو گنگوہی صاحب مان لیتے۔ اب سوال یہ ہے کہ ۔ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم ذاتی گنگوہی صاحب مان لیتے ؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم ذاتی کا اثبات نصوص قطعیات سے تو بہت دور کی بات ہے خبر آحاد سے بھی شرعاً ممکن ہے ؟ اس لئے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ ساری بحث علم عطائی کے اثبات و نفی میں ہو رہی ہے۔ اسی کو حضرت مولانا عبد السمیع صاحب نے ثابت فرمایا۔ سی کو گنگوہی صاحب نے رد کیا اور علم عطائی ہی کے اثبات کو شرک کہا۔

چند اور شبہات اور انکے جوابات

گنگوہی صاحب کے نیازمند یہ بھی کہتے ہیں کہ گنگوہی صاحب نے خود صفحہ ۵۳ پر تصریح کر دی ہے کہ

" یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلا کا عقیدہ ہے "

جبکہ گنگوہی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپکو کوئی ثابت کرے ۔ تو مصنف کی بیان کردہ مراد کیخلاف اس کی مراد بتانا انتہائی سنگین خیانت ہے۔

جواب ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے ۔ کہ اولا ۔ جب آٹھ وجوہ سے ثابت ہو چکا کہ ساری بحث از ابتدا تا انتہا علم عطائی میں ہے تو یہاں علم ذاتی کو علم عطائی کا مقابل سمجھنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے گستاخی ہو گی مگر لازم ضرور آئیگا کہ گنگوہی صاحب یہ عبارت لکھتے وقت با ہوش و حواس نہ تھے کاش کہ ایسا ہی ہوتا تو کم از کم براہین کی اس عبارت کیوجہ سے تکفیر سے بچ جاتے مگر ان کے نیازمند آسمان سر پر اٹھالیں گے۔ ہمارے قاضی الحاجات، رحمۃ للعالمین، صدیق، فاروق، عثمان و علی، ابو حنیفہ، شافعی[1] الخ کے عطر مجموعہ کو ایسا کہدیا۔ اس لئے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ آپ سے کس نے کہدیا ۔ کہ یہاں ذاتی عطائی کا مقابل ہے۔ کیا ذاتی کے اور معنیٰ نہیں جو یہاں بن سکیں اور عبارات میں خبط نہ ہو۔ کیا ذاتی عرضی کا مقابل نہیں آتا۔

ثانیاً۔ یہاں ذاتی، عطائی کا مقابل نہیں۔ اس کو متصلاً گنگوہی صاحب نے خود ہی بتا دیا ہے۔ فرمایا

" جیسا جہلا کا عقیدہ ہے۔"

گنگوہی صاحب تو جا چکے آپ لوگ بتائیں۔ جہلا میں کس جاہل کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ذاتی بمعنی مقابل عطائی کے ہے۔

ثالثاً۔ آگے ہے

" جس کا عقیدہ مؤلف کی تحریر کیمطابق ہوگا البتہ وہ مشرک ہے۔"

چوتھی وجہ میں گزر چکا کہ انوار ساطعہ کے مصنف نے علم عطائی ہی کو ثابت فرمایا۔ اور اسے گنگوہی صاحب شرک کہہ رہے ہیں۔ کیا چند سطر پہلے جو لکھ چکے ہیں وہ یاد نہ تھا۔؟ افسوس ہے ان نیازمندوں پر کہ گنگوہی صاحب کے کلام کو بھی نہیں سمجھ پائے۔

رابعاً۔ پہلی وجہ میں گزر چکا کہ گنگوہی صاحب کا عقیدہ تقویۃ الایمان کیمطابق ہے

[1] ملاحظہ ہو مرثیہ رشید احمد از مولوی محمود الحسن و تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی میرٹھی

اور تقویۃ الایمان میں علم عطائی کو بھی شرک بتایا تو کیا براہین لکھتے لکھتے یہاں پہنچکر اپنے عقیدے سے مرتد ہوگئے کہ وہ یہاں ذاتی بول کر عطائی کا مقابل مراد لیں گے۔

اس جگہ علم ذاتی کا ذکر بالکل اسی طرح ہے جیسے تحذیر الناس کی ص۳ کی عبارت میں بالذات کی قید ہے کہ وہ بھی بوقت ضرورت کے لئے بڑھائی تھی۔ ورنہ حقیقت میں لغو اور مہمل ہے۔ ویسے ہی یہاں۔ علم ذاتی۔ کا تذکرہ بھی۔ نوشتہ بکار آید کے طور پر ہے کہ بوقت ضرورت اس کی آڑ لی جائے۔

فرق یہ ہے کہ نانوتوی صاحب گنگوہی صاحب کی بہ نسبت زیادہ زیرک اور دور اندیش تھے تو انھوں نے قدم الخروج قبل الولوج کے طور پر پہلے لکھدیا۔ اور گنگوہی صاحب زود رنج جلالی بزرگ تھے اس لئے ابتداً تو عقیدہ تھا لکھدیا۔ بعد میں ہوش آیا تو یہ ٹٹی کھڑی کردی۔

خامساً۔ گنگوہی صاحب کے نیازمندوں سے درخواست ہے کہ وہ گنگوہی صاحب پر ترس کھائیں۔ وہ بیچارے ایسی غلطی کیسے کرسکتے ہیں کہ ذاتی سے عطائی کا مقابل مراد لیں۔ جبکہ وہ غیر خدا کے لئے علم ذاتی کے اثبات کو کفر بھی نہیں مانتے، اپنے فتاویٰ میں لکھ چکے ہیں؛

جو یہ عقیدہ رکھے کہ خود بخود آپ کو بدون اطلاع حق تعالیٰ کے علم غیب تھا تو اندیشہ کفر کا ہے۔ کافر کہنے سے زبان روکے اور تاویل کرے۔

(فتاویٰ گنگوہی مطبوعہ کراچی ص۹۶)

جب وہ ذاتی مقابل عطائی کو کفر بھی نہیں صرف اندیشہ کفر بتاتے ہیں تو براہین میں اسے شرک کیسے کہدیں گے۔ کیا آپ لوگوں نے ان کو اتنا حواس باختہ سمجھ رکھا ہے۔

نعوذ باللہ من ذالک

(۲) گنگوہی صاحب کے ایک نیازمند لکھتے ہیں

" مصنف براہین قاطعہ اس بحث میں اس قیاس کو رد فرما رہے ہیں کہ جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی افضلیت کیوجہ سے اس سے زیادہ خود ہی پیدا کرلیں گے۔ اور اسی خیال کو صاحب براہین نے شرک قرار دیا ہے۔ براہین قاطعہ میں جس جگہ یہ بحث ہے اس کی پہلی سطر یہ ہے۔

تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جسقدر علم حق تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ اور تبلادیا۔ اس سے ایک ذرہ زیادہ کا بھی علم ثابت کرنا شرک ہے۔ سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہے۔ فیصلہ ص۱۲۴

جواب اولاً یہ عبارت اس کتاب میں کہاں ہے؟ آپ تو کبر سنی اور امراض مزمنہ کیوجہ سے معذور ہیں۔ آپ اس کا عذر پیش کرسکتے ہیں مگر اپنی جماعت کے کسی دیدہ ور کو حکم کرسکتے ہیں کہ وہ انوار ساطعہ کی وہ عبارت دکھادیں جسمیں اس کے مصنف نے مذکورہ بالا قیاس کیا ہے۔ زبانی مناظروں کی روداد میں اہلسنت کے مناظرین پر افتراء کی عادت نے آپ کو اتنا جری کردیا ہے کہ چھپی ہوئی شائع شدہ بلکہ خود اپنے مذہب کی کتابوں کے ساتھ چھپی ہوئی کتاب پر افتراء کرنے لگے کیا اب آپ کا ایمان۔ انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون۔ پر بھی نہیں رہ گیا ہے۔

ناظرین اطمینان رکھیں۔ پوری انوار ساطعہ میں مذکورہ بالا قیاس کہیں نہیں کہیں نہیں، کہیں نہیں۔ البتہ عمرپوری صاحب کے اس قول پر۔ کہ یہ عقیدہ کہ "جہاں مولود پڑھا جاتا ہے تشریف لاتے ہیں شرک ہے۔" بطور نقض انوار ساطعہ میں یہ ضرور ہے۔ کہ اگر محافل میلاد میں تشریف لانا شرک ہوتا تو کسی کو یہ قدرت نہ ہوتی کہ زمین میں جہاں چاہے جائے آئے۔ حالانکہ ملک الموت علیہ السلام کو یہ قوت ہے۔ بلکہ شیطان لعین کو بھی ہے، اس میں کہاں قیاس ہے۔ کہاں ہے کہ

جب شیطان اور ملک الموت کو علم کی یہ وسعت حاصل ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی افضلیت کیوجہ سے اس سے زیادہ خود ہی پیدا کرلیں گے"۔

اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو آپ اور آپ کے ہمنوا کیا بولیں گے؟ ناظرین فیصلہ کریں کیا اپنے حریف پر بہتان باندھ کر، افترار کرکے کسی کا کفر اٹھ سکتا ہے۔ اس طرح تو ہر کافر اپنے کفر کو دفع کرسکتا ہے۔

جب انوار ساطعہ میں مذکورہ بالا قیاس کا وجود ہی نہیں تو اس پر براہین کی کفری عبارت کی تاویل کی بنیاد رکھنا بنار علی الباطل ہی نہیں بنار علی المعدوم ہے پھر اس تاویل کو براہین کی عبارت کی تاویل کہنا کسی طرح درست نہیں یہ کسی اور ذہنی عبارت کی تاویل ہوگی۔

ثانیا:۔ صاحب براہین نے جسے سب امت کا اعتقاد بتایا وہ امت کے نہ کسی فرد کا اعتقاد ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ ایسی احمقانہ بات پوری امت تو بہت عظیم ہے کسی عقل والے کا بھی اعتقاد نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی زیادہ علم عطائی ثابت کرے تو شرک کس منطق سے ہوگا، یہ کسی عاقل کی سمجھ میں آسکتا ہے؟ یہ زائد علم عطائی زیادہ سے زیادہ باطل ہوگا۔ شرک کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ ایسے اعتقاد کو پوری امت کا اعتقاد بتانا افترار اور بہتان ہے۔

ثالثا:۔ پوری امت نہیں، امت کے دو چار ہی مستند و معتمد افراد کا قول دکھا دیجئے۔ کہ انھوں نے اس اعتقاد کو شرک لکھا ہے۔

رابعا:۔ براہین کے مؤلف گنگوہی صاحب جانتے تھے کہ میں پوری امت پر افترار کر رہا ہوں۔ اس پر گرفت ہوگی۔ مطالبہ ہوگا کہ دکھاؤ امت کے کن کن افراد نے اپنا یہ اعتقاد بتایا ہے۔ پھر بڑی رسوائی ہوگی۔ اس لئے اخیر میں پینترا بدل دیا۔ اور یوں گھما دیا۔

"سب کتب شرعیہ سے یہی مستفاد ہوتا ہے"

آپ کے سارے نیازمندوں کو صلائے عام ہے۔ سب کتب شرعیہ سر دست رہنے دیجئے۔ دو چار ہی کی وہ عبارتیں دکھا دیں جس سے وہ احمقانہ اعتقاد مستفاد ہوتا ہے۔ ہم ناظرین کو اطمینان دلاتے ہیں کہ جب سو سال سے وہ عبارتیں نہ دکھا سکے تو اب کون ہے جو دکھا دے یہ کتب شرعیہ پر گنگوہی صاحب کا افترار اور بہتان ہے۔ اور اگر امت سے مراد آپ کی

اپنی امت ہو تو دوسری بات ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پاک کو گھٹانے کی سزا میں جب کہیں پناہ نہیں ملی تو افترار پر افترار کر رہے ہیں۔ بہتان پر بہتان باندھ رہے ہیں۔ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور ان کی محبت کا یہی تقاضا ہے؟ ہنود ویہود، نصاری و مجوس نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں یہ دھندے نہ کئے ہوں گے۔

خامسا:۔ پوری امت کا یہ اعتقاد کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ یہ اعتقاد عوام ہی نہیں خواص کو مشرک بنانے کی خود کار (آٹومیٹک) مشین ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں۔ نانوتوی صاحب کے ایک مرید نے کہا کہ نانوتوی صاحب کا علم گنگوہی صاحب سے زیادہ تھا اس پر گنگوہی صاحب کے مرید نے کہا، نہیں۔ گنگوہی صاحب کا علم نانوتوی صاحب سے زیادہ تھا۔ ظاہر ہے ان دونوں میں ایک ضرور غلط کہہ رہا ہے۔ تو وہ اس آٹومیٹک کفری مشین کی رو سے ضرور بالضرور مشرک اس لئے کہ اس نے اپنے ممدوح میں اس سے زیادہ علم مانا۔ جتنا اللہ عزوجل نے دیا تھا۔ اس لئے اس آٹومیٹک کفری مشین کی رو سے مشرک۔

پھر یہ بحث انھیں دونوں میں منحصر نہیں۔ اور بھی دیوبندی بزرگوں میں ہوسکتی ہے بلکہ ہوئی ہے اور ہوتی رہتی ہے مثلاً انبیٹھی صاحب کا علم زیادہ ہے یا تھانوی صاحب کا۔ انور صاحب کشمیری کا زیادہ ہے یا عثمانی صاحب کا۔ زکریا صاحب کا زیادہ ہے یا ٹانڈوی صاحب کا۔ اور اس قسم کے ہر اختلاف میں ایک ضرور مشرک ہوا۔ بلکہ یہ مقابلہ اور اختلاف امت کے کسی بھی دو عالم کے مابین ہوسکتا ہے بلکہ ہوا ہے اور ہوگا۔ تو ان میں ایک فریق دیوبندی مذہب کی اس آٹومیٹک مشین کی رو سے مشرک ہوا۔

سادسا:۔ ان سب خرافات کی بنیاد ہی فاسد ہے۔ کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کا علم محیط نہیں عطا فرمایا۔ اور یہ نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی تصنیفات مبارکہ الدولۃ المکیۃ، الفیوض الملکیہ۔ انباء المصطفیٰ۔ خالص الاعتقاد وغیرہ میں اور ان کے خلف الرشید وارث علم و فضل، ان کے جانشین حضرت مفتی اعظم ہند مولانا

مصطفےٰ رضا خانصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ادخال السنان میں اور ان کے خلیفہ حضرت صدر الافاضل علامہ نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے الکلمۃ العلیا میں۔ قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور سیکڑوں احادیث سے ثابت فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم جمیع ماکان ومایکون کو محیط ہے جسمیں زمین ضرور داخل۔ یہ وہ رسائل ہیں جن کے جواب سے تمام منکرین علم غیب آجتک عاجز ہیں۔ جبکہ ان میں سے بعض کو ایک صدی کے قریب ہو رہا ہے اب کیا امید کہ کوئی جواب دے پائیگا۔ تو جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین ہی کا علم محیط نہیں اس سے لاکھوں گنا زائد اللہ عزوجل نے عطا فرمایا تو اس گنگوہی مغالطہ عامۃ الودود سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زمین کا علم محیط ثابت کرنا شرک نہ ہوا۔ پھر اس مغالطہ عامۃ الورود کے ذکر سے فائدہ؟ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ پوری امت پر افترا کیا۔ بہتان باندھا اور کان نہ کٹا۔ کیسے کٹے۔ ع دروغ را فروغ نہ باشد۔ مگر دیوبندیوں کا اصول یہ ہے الکذب ینجی والصدق یھلك۔

تیسرا شبہہ گنگوہی صاحب کے نیاز مند یہ بھی کہتے ہیں کہ شیطان کو جو علم دیئے گئے وہ رذیل اور حقیر تھے اور ان رذیل وحقیر علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت ماننا شرک ہے۔

جواب اولاً شیطان کو جو علوم رذیلہ، حقیرہ حاصل ہیں وہ اللہ عزوجل کی عطا سے حاصل ہیں یا اللہ عزوجل کی عطا کے بغیر اس نے خود پیدا کر لئے ہیں۔ برتقدیر ثانی۔ اس کا علم ذاتی ہوا اور آپ سب لوگوں کو تسلیم کہ ذاتی خاصہ خدا ہے۔ تو لازم کہ گنگوہی صاحب کے عقیدے کے مطابق شیطان خدا ہے یا خدا کا شریک۔ اور برتقدیر اول جب وہ علوم اللہ عزوجل کی عطا سے شیطان کو حاصل ہوئے۔ تو لازم کہ اللہ عزوجل خود اس سے متصف ہو۔ اور بقول آپلوگوں کے یہ علوم رذیل وحقیر تو لازم کہ اللہ عزوجل حقیر ورذیل کیسا تھ متصف بالفعل ہے اور یہ کفر ہے۔

ثانیاً:- یہ بھی ہوش نہ رہا کہ شیطان کے ساتھ براہین میں حضرت ملک الموت علیہ السلام والتسلیم بھی ہیں۔ کیا ان کے علوم بھی رذیل وحقیر ہیں۔ اگر ہیں تو آپ لوگوں نے ایک ملک مرسل، فرشتۂ مقرب کے وصف کو رذیل، حقیر کہکر اسکی توہین کی یا نہیں؟ اور ان کی توہین کفر ہے یا نہیں؟

ثالثاً قرآن مجید میں ہے

وعلم آدم الاسماء کلھا (بقرہ آیت ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔

عامۂ تفاسیر میں سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا حتی القصعة والقصیعة والملعقة والفسوة والفسیة بتایئے یہ علوم کمالات تھے یا نہیں۔ اگر نہیں تو یہ تعلیم الٰہی لغو ہوئی اور اس سے بھی زیادہ لغویت یہ ہو گی کہ حضرت آدم کے انھیں علوم کو ملائکہ پر فضیلت کی دلیل بتائی کسی میں ہمت ہے تو کہدے یہ لغو کام ہوا۔ اور اگر یہ کمالات ہیں اور ضرور ہیں تو ثابت کہ علوم دینیہ کی طرح دنیوی علوم بھی کمال ہیں۔ پھر علم کی، کمال اور غیر کمال کی طرف تقسیم باطل۔

رابعاً بات بالکل واضح ہے۔ علم کسی چیز کا نہ ذلیل ہے نہ رذیل نہ حقیر۔ علم ہر چیز کا کمال ہے۔ اللہ عزوجل اپنا وصف خود بیان کرتا ہے۔ وھو بکل شیئ علیم وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ یہاں۔ شیئ بمعنی مایعلم ومایخبر بہ ہے جو واجبات ممتنعات اور جمیع ممکنات کو عام ہے خواہ وہ موجود ہوں یا ازلاً ابداً معدوم —— اور اللہ عزوجل کا ہر وصف کمال تو مطلق علم خواہ کسی چیز کا ہو کمال۔ حتی کہ کفریات محرمات کا علم بھی قبیح نہیں البتہ کفریات، محرمات افعال قبیحہ کا ارتکاب ضرور قبیح ہے۔ شیطان کا خبث یہ ہے کہ وہ قبائح کا خود ارتکاب کرتا ہے اور کراتا ہے۔ مثلاً زنا کسے کہتے ہیں، چوری کسے کہتے ہیں، یہ جاننا قبیح نہیں، قبیح چوری کرنا زنا کرنا ہے۔ شیطان دھوکہ دہی وغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے اس لئے وہ شیطان ہے۔ لوگوں کو کفر پر ابھارتا ہے

حرامکاری پر اکساتا ہے اس لئے وہ شیطان ہے خبیث ہے۔

کسی کے خواب میں بھی یہ وہم نہ ہوگا کہ گنگوہی صاحب کے نیازمند اس فرق کو نہ جانتے ہوں گے، ضرور جانتے ہیں خوب جانتے ہیں۔ صرف بیچارے عوام کے ذہن کو اس عبارت کے کفر سے پھیرنے کے لئے، اتنی بڑی جسارت کر رہے ہیں کہ ارتکاب کے قبیح ہونے کو علم کے قبیح ہونے پر ڈھال دیا کیا اسی کا نام توجیہہ ہے کیا اسی کا نام تاویل ہے۔ کسی مجرم کے جرم کو چھپانے کے لئے آنکھوں میں دھول جھونکنا اس جرم میں شریک ہونا اور خود بہت بڑا جرم ہے۔ الکم اذا مثلهم۔

دوسرے اعتراض کی توجیہہ اور اس کا رد

براہین کی عبارت میں ـــ دوسرا کفر یہ تھا کہ ـــ کفر و شرک کو نص سے ثابت مانا۔ یہ کفر پہلے کفر کی فرع ہے۔ اگر پہلا اٹھ جاتا تو یہ خود بخود ختم ہو جاتا مگر جب پہلا کفر ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے۔

تیسرا کفر

شیطان لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زائد مانا

اس عبارت کا اخیر حصہ یہ ہے:

”شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے؟ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“

اس عبارت میں خط کشیدہ جملہ ”فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے؟“ بہ بانگ دہل پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس عبارت کا قائل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ مطلقاً وسعت علم کا انکار کر رہا ہے۔ یہاں کسی خاص علم کی تخصیص نہیں کی ہے نہ زمین کے علم کی اور نہ اِس علم کی اور نہ اُس علم کی۔ تو بداہۃً یقیناً قطعاً یہ مطلق وسعت

علم کی نفی ہوئی اور اس کا رد، دو چار کی طرح یہی مطلب ہوا کہ گنگوہی صاحب یہی بتا رہے ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وسیع نہیں۔ اور شیطان کیلئے صاف صاف لکھا ہے کہ یہ یعنی علم کی وسعت نص سے ثابت ہے تو صاف صاف عیاں ہے کہ گنگوہی صاحب نے شیطان لعین کے علم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زائد مانا۔

توجیہہ اور اس کی تردید

گنگوہی صاحب کے نیازمندوں نے اس کفر کو اٹھانے کے لئے جو جو جتن کئے ہیں۔ سب کے بیان کے لئے دفتر درکار ہے۔ زیادہ تر یہ کہا ہے۔ کہ نفی صرف زمین کے علم محیط کی ہے اور شیطان کے لئے اس کو ثابت مانا گیا ہے۔ ایک جزئی علم کے شیطان کے لئے ثابت ماننے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس مخصوص جزئی کا علم ثابت نہ ہونے سے شیطان کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلم ہونا لازم نہیں آتا جبکہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دوسرے ایسے علوم کثیرہ مانتے ہیں جو شیطان کو حاصل نہیں۔

تردید | براہین میں کہیں صرف زمین کے علم محیط کی نفی ہو گی۔ یہاں نہ زمین مذکور ہے نہ اس پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ مثلاً اسم اشارہ یا ضمیر وغیرہ یہ، اِس، اُس وہ۔ بغیر ان قیودات کے مطلق وسعت علم کی نفی کی ہے اور مطلق کی نفی کیلئے استغراق لازم ہے۔ اگر مطلق کی نفی کے لئے استغراق لازم نہ ہو تو مطلق کی نفی نہ ہوگی۔ کیونکہ مطلق کا اثبات اس کے کسی ایک فرد کے اثبات سے ہو جاتا ہے تو اگر مطلق کی نفی کا مطلب یہ ہو کہ اس کے کچھ افراد کی نفی ہو کچھ کا اثبات تو حقیقت میں یہ مطلق کی نفی نہیں بلکہ مطلق کے بعض افراد کی نفی ہوئی اور مطلق کا اثبات ہوا۔ مثلاً کسی نے کہا میں نے مدینہ طیبہ نہیں دیکھا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آج تک کبھی نہیں دیکھا ہے۔ نہ بچپنے میں نہ جوانی میں نہ بڑھاپے میں نہ اکیلے نہ کسی کے ساتھ۔ اس کا یہ مطلب

نہیں ہوتا کہ بچپنے میں دیکھا ہے جوانی اور بڑھاپے میں نہیں دیکھا ہے یا جوانی میں دیکھا ہے بچپنے اور بڑھاپے میں نہیں دیکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کا سبب یہی ہے کہ مطلق کی نفی اسی وقت صحیح ہے جب استغراق ہو۔

یہاں براہین میں جب مطلق وسعت علم کی نفی ہے تو اسے بھی استغراق لازم۔

اب اس کا صریح مطلب یہ ہوا کہ گنگوہی صاحب یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں ــــ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی علم کی وسعت ثابت نہیں۔ نہ زمین کے علم کی نہ آسمان کے علم کی نہ دینی علم کی نہ دنیوی علم کی۔ نیز یہ بھی کہ کسی بھی علم کی وسعت ثابت ماننا شرک ہے خواہ دنیوی علوم کی وسعت مانیں خواہ دینی بہرحال شرک ہے۔

اگر گنگوہی صاحب کا منشا صرف علم محیط زمین کی نفی ہوتا تو یوں لکھتے ــــ

شیطان کے لئے زمین کا علم محیط نص سے ثابت ہے اور فخر عالم کے علم محیط زمین کی کونسی نص قطعی ہے ــــ اختصار ملحوظ ہوتا تو یوں لکھتے ــــ فخر عالم کی اس وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے ــــ یہ نہ کہہ کر بصیغۂ اطلاق یوں کہنا۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے؟ ــــ صاف صاف بتا رہا ہے کہ ان کی مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلق علم کی نفی ہے۔ اس لئے یہ مانے بغیر کسی انصاف پسند کو چارہ نہیں کہ گنگوہی صاحب نے اس عبارت میں شیطان لعین کے علم کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ وسیع مانا اور اس عبارت پر ہمارا یہی الزام ہے جو بلا کسی ادنیٰ شک و شبہ کے ثابت ہے اور گنگوہی صاحب کے نیازمندوں کی تاویل مذکور اس عبارت کی تاویل نہیں تحویل و تبدیل ہے بلکہ تحریف ہے۔

دوسرے علماء کی تائیدات

مناظرہ بھاولپور

آج ایک صدی سے زائد ۱۳۰۶ھ کی بات ہے۔ ریاست بھاولپور میں براہین کی مختلف عبارتوں کے ساتھ اس کی مذکورہ بالا عبارت پر بھی ایک انتہائی اہم اور فیصلہ کن مناظرہ ہوا تھا۔ جسمیں دیوبندیوں کی طرف سے

اس وقت کے سب سے بڑے عالم ان کے شیخ الہند محمود الحسن صاحب اور خود انبیٹھی صاحب بھی شریک ہوئے تھے جن کے نام سے براہین چھپی ہے۔ اہلسنت کی جانب سے امام المناظر حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری مناظر تھے اور چاچڑاں شریف کے شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مناظرے کے حکم تھے۔ جو نواب بھاولپور کے پیر، مرشد تھے حضرت موصوف نے اس مناظرے پر جو فیصلہ دیا ہے وہ یہ ہے [1]

"مؤلف مذکور مع اپنے معاونین کے وہابی اہلسنت سے خارج ہے"

جس کے نتیجے میں انبیٹھی صاحب بھاولپور سے نکالے گئے۔

یہ مناظرہ تحریری تھا۔ اس کی روداد تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل کے نام سے چھپ چکی ہے۔ اس میں حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے براہین کی اس عبارت پر انبیٹھی صاحب کو یہی الزام دیا ہے۔ کہ انھوں نے اس عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو شیطان کے علم سے کم لکھا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

"فقیر کان اللہ لہٗ کا اعتراض یہ ہے ــ کہ سرور کائنات اعلم مخلوقات علیہ الصلوۃ والتسلیمات کی وسعت علم کا جو انکار کیا ہے اور شیطان کے علم سے آپ کے علم کو کم لکھدیا ہے یہ نہایت درجہ کی توہین ہے [2]۔

اسی تقدیس الوکیل کی تصدیق میں مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی مہاجر مکی نے لکھا ہے:

"میں مولوی رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت کا علم شیطان لعین کے علم سے کمتر ہے اور اس عقیدے کے خلاف کو شرک فرمایا [3]

حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی وہ بزرگ ہیں جنھیں سلطان ترکی نے پایۂ حرمین کا خطاب دیا۔ اور جنھیں خود براہین [4] ہی میں ــــ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمۃ اللہ ـ

[1] تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل ص ۲

[2] ایضاً ص ۱۹۳ [3] ایضاً ص ۴۱۹ [4] براہین ص ۲۳

ـــ لکھا۔ یہ بھی اس عبارت سے وہی سمجھے جو دوسرے علماء اہلسنت نے سمجھا۔

خود حضرت مولانا غلام دستگیر رحمۃ اللہ علیہ نہ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تلمیذ ہیں۔ نہ ہم سبق ہیں، نہ پیر بھائی ہیں۔ انھوں نے بھی اس عبارت کا یہی مطلب سمجھا اور انبیٹھی صاحب اور محمود الحسن صاحب کو رد در رد الزام دیا۔ جس کی وہ لوگ کوئی ایسی توجیہہ نہ کر سکے جس کی رو سے اس عبارت کا کوئی ایسا مطلب نکلتا جس کی بنا پر یہ عبارت کفر نہ رہتی۔ تو جب جن بزرگ کے نام سے یہ کتاب چھپی ہے جو بقلم نیازمندان گنگوہی صاحب مصنف ہیں تو اگر بفرض محال اب کوئی صاحب کوئی دوسرا مطلب نکال بھی لیں تو انھیں یا گنگوہی صاحب کو کیا مفید۔ واضح ہو کہ گنگوہی صاحب اسوقت بقید حیات اور بقید ہوش و حواس تھے اگر اس عبارت کا کوئی مطلب اور ہوتا تو وہ ضرور بتاتے، ان کے دو عظیم مرید اور خلیفہ اس مناظرے میں شریک تھے۔ انھوں نے واپس آکر روداد ضرور سنائی ہوگی۔ مناظرے میں نہ بتا سکے تھے تو بعد میں بتا دیتے۔ نظام الملک اخبار میں وہ بھی چھپ جاتا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ گنگوہی صاحب کے پاس بھی اس کی کوئی تاویل نہیں تھی جو انھیں کفر سے بچا سکے۔ آخر اس صریح جملے کی کیا تاویل ہو سکے گی۔

"فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے؟ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔"

اس کا صاف صریح مطلب صرف یہ ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی نہیں یہ نصوص کے خلاف ہے اور شرک ہے۔

تھانوی صاحب کی کفری عبارت

دیوبندیوں کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے ایک کتابچے "حفظ الایمان" کے صک پر لکھا:

"پھر یہ کہ آپکی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا۔ اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر بلکہ ہر صبی (بچے) مجنون (پاگل)، بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

چند سطر بعد ہے

"اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔"

اس عبارت کا صاف صاف صریح و صریح بھی متعین مطلب یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس و ناکس، زید و عمرو و بکر بلکہ بچوں، پاگلوں بلکہ جانوروں، چوپایوں کے علم سے تشبیہ دی۔ یا[1] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ان کے مساوی بتایا۔ اور اس پر فریقین کا اتفاق کہ ان دونوں باتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی توہین اور تحقیر ہے اور کسی نبی کی توہین وہ بھی سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین باجماع امت کفر ہے اور توہین کرنے والا کافر۔

اس عبارت سے مضمون مذکور بلا کسی ابہام و خفا کے بے ایرپھیر کے واضح ہے۔ مزید توضیح کے لئے عرض ہے:

---

[1] یہ تردید اس بنا پر ہے کہ تھانوی صاحب کے نیازمند خود آپس میں الجھے ہوئے ہیں کہ اس عبارت میں "ایسا" تشبیہ کے لئے ہے یا اتنا اور اس قدر کے معنی میں تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۱) ابتدا یں ہے — آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا — اس کا مطلب صرف یہ ہے — یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے۔ اسلئے کہ حکم کے یہی معنٰی ہیں کہ ایک چیز دوسرے کے لئے ثابت کیجائے — آگے ہے — اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اس عبارت میں — اس — کا اشارہ پہلا ذکر کردہ غیب ہے یعنی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے جو حضور کو حاصل تھے — اس لئے بعض غیب سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا علم غیب مراد ہوا۔ اور یہی مراد ہونا متعین ہے۔ اس لئے کہ مقسم کا صدق اقسام پر ضروری ہے ورنہ قسم، قسم نہ رہے۔ بیگانۂ محض ہو جائے۔

اس کے بعد اسی بعض علم غیب کو جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں — یہ کہا — اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر زید و عمرو و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

اس لئے بلا کسی ادنیٰ شک و شبہہ اور بغیر ذرہ برابر تردد کے واضح ہو گیا کہ تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپایوں کے علم سے تشبیہ دی یا ان کے برابر بتایا۔ اسی کو اور مختصر عبارت میں یوں کہہ لیجئے — کہ تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو علم غیب حاصل مانا بقول زید اس کی دو قسمیں کیں — بعض غیب یا کل غیب — کل کے حاصل ہونے کو عقلاً نقلاً باطل مانا۔ تو لازم کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض علم غیب حاصل مانا۔ اور اسی کے بارے میں لکھا کہ ایسا علم غیب تو ہر زید و عمرو و بکر یعنی ہر کس و ناکس بلکہ بچوں پاگلوں، چوپایوں کو بھی حاصل ہے۔ اب اگر لفظ "ایسا" کو تشبیہ کے لئے مانیں تو انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ارفع و اعلیٰ کو ان خسیس چیزوں کے کہتر و ادنیٰ علم سے تشبیہ دی — اس میں یقیناً حتماً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

اور اگر — لفظ ایسا — کو اتنا اور اس قدر کے معنی میں مانیں — تو لازم کہ حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وافر و کثیر کو جس کی مقدار کوئی ملک مقرب اور نبی مرسل بھی نہیں جان سکا۔ ان رذیل چیزوں کے علم کے برابر کر دیا۔ یہ بھی بدترین توہین ہے۔

حسام الحرمین کی اشاعت کے بعد سے ابتک حفظ الایمان کی اس عبارت کی تاویل میں تھانوی صاحب کے چھوٹے بڑے تمام نیازمندوں نے ایڑی چوٹی تک زور لگایا مگر کوئی بزرگ اس کی ایسی تاویل نہ کر سکے جو اس عبارت کی تاویل ہو اور کفر نہ ہو۔ کتابچوں پر کتابچے لکھے۔ اشتہار پر اشتہار چھاپے۔ تقریریں کیں، مناظرے کئے۔ مگر ہوا یہی کہ اس عبارت کو جسقدر بنانے کی کوشش کی اتنے ہی الجھتے گئے۔ جتنی زیادہ صفائی کی جد و جہد کی اتنا ہی زیادہ اس عبارت کا کفر اجاگر ہوتا گیا۔ اس کی تفصیل اگرچہ بہت مفید اور دلچسپ ہے۔ مگر ہمارا مقصود اسوقت صرف الزام دینا نہیں بلکہ افہام و تفہیم ہے اس لئے اس سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف بنیادی بات پر بحث کرتے ہیں۔

ابتک اس عبارت کی تاویل میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ ان سب کا حاصل یہ ہے:

"کہ اس عبارت میں "ایسا" سے مراد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نہیں بلکہ مطلق بعض ہے اس لئے یہ عبارت بے غبار ہے۔"

اس موضوع پر لکھے ہوئے سارے کتابچوں، مناظرے کی رودادوں کو دیکھ ڈالئے سب میں قدر مشترک یہی نکلے گا۔ البتہ طرز بیان، طرز استدلال الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ مگر محور یہی ہے۔

یہ تاویل نہیں عبارت کی تبدیلی ہے

ہمارا یہ کہنا ہے کہ — یہ کہنا کہ لفظ ایسا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک مراد نہیں مطلق بعض مراد ہے۔ اس عبارت کو مسخ کرنا اور بالکلیہ بدل دینا بلکہ مہمل اور لغو بنا دینا ہے۔

اولاً لفظ "ایسا" سے جو بھی مراد ہو اس کا پہلے ذکر ہونا لازم ہے۔ ورنہ ایسا کہنا مہمل

ہوگا۔ اور اس سے پہلے صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک مذکور ہے۔ اس لئے اس سے صرف وہی مراد ہو سکتا ہے۔ مطلق بعض مذکور ہی نہیں اس لئے وہ کسی طرح مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے علم مبارک کی۔ بعض غیب اور کل غیب کی طرف تقسیم کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک مقسم ہے۔ اور بعض غیب اور کل غیب اس کے اقسام۔ اور اقسام پر مقسم کا صدق لازم ورنہ اقسام اقسام نہ رہیں۔ اجنبی محض ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ مقسم مع قید ہی کا نام قسم ہے۔

مثلاً نحوی کلمہ کی تین قسمیں اسم، فعل، حرف کرتے ہیں۔ کلمہ ہی کیساتھ جب معنی مستقل پر دلالت اور عدم اقتران بزمان کی قید لگاتے ہیں تو وہ اسم ہے۔ اور کلمہ ہی کے ساتھ جب معنی مستقل پر دلالت کرنے اور اقتران بزمان کی قید لگاتے ہیں تو وہ فعل ہے۔ علی ہذا القیاس۔ کلمہ کیساتھ معنی غیر مستقل پر دلالت کرنے کی قید لگا دیں تو حرف ہے اس لئے اسم اور فعل اور حرف تینوں کا کلمہ ہونا ضروری ہے، جو لفظ کلمہ نہ ہوگا وہ نہ اسم ہوگا نہ فعل نہ حرف۔

اسی طرح جب تھانوی صاحب تے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کی دو قسمیں کیں۔ بعض اور کل۔ تو یہاں بعض سے مراد حضور ہی کا علم ہوگا نہ کہ مطلق بعض۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ نہ مطلق بعض مذکور ہے نہ وہ لفظ ایسا سے مراد ہو سکتا ہے اُسے مراد بتانا عبارت کو مہمل بنانا ہے۔

اس ایراد سے بچنے کے لئے تھانوی صاحب کے نیازمند یہ کہتے ہیں کہ یہاں اس کی بحث ہی نہیں کہ حضور کو علم غیب حاصل تھا یا نہیں۔ بحث اس سے ہے کہ آپ کی ذات پر عالم الغیب کا اطلاق درست ہے کہ نہیں یعنی آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح ہے کہ نہیں؟ کیا کروں۔ میں نہیں چاہتا کہ کچھ کہوں۔ مگر یہاں اتنا کہے بغیر چارہ نہیں کہ۔ آم بول کر املی مراد لینا اگر درست ہے تو ضرور۔ تھانوی صاحب کے اس قول ــــ "پھر یہ کہ آپکی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو" کا مطلب۔ عالم الغیب کا اطلاق

صحیح ہو۔ درست ہو سکتا ہے؟ پھر اس طرح تو نہ کوئی کفر کفر رہے گا۔ نہ کوئی گالی، گالی رہے گی۔ ایک مسخرے نے زید کو حرامی کہا۔ زید نے غصے میں آکر اسے چانٹا رسید کرنا چاہا تو مسخرے نے کہا۔ زید تو جاہل ہے۔ حرامی کے معنیٰ عزت والا ہے۔ مسجد حرام، شہر حرام، بلد حرام میں دیکھ" حرام" کے معنیٰ عزت والے کے ہیں۔ اسی سے حرامی بنا ہے۔ کیوں خفا ہو رہا ہے۔ زید تو زید کوئی عزت والا آدمی اس مسخرے کی بات مان لے گا؟ واقعی یہاں حرام کے معنیٰ عزت والے کے تھے بھی مگر اس مسخرے کی تاویل قبول نہ ہوئی۔ اور حفظ الایمان کی عبارت میں۔ جو ہے "علم غیب کا حکم کیا جانا" اس میں اور عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا۔ میں یہ بھی تعلق نہیں۔

اب یا تو یہ کہئے کہ تھانوی صاحب خود اطلاق اور حکم کے فرق کو نہیں جانتے تھے یا آپ لوگ نہیں جانتے۔ مگر یہ دونوں کی جناب میں گستاخی ہے۔ ہم حد ادب میں رہتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ــــ

تھانوی صاحب بھی جانتے تھے اور آپ لوگ بھی جانتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔ اور جان بوجھ کر عوام کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تھانوی صاحب نے بالقصد والارادہ ــ عالم الغیب کا اطلاق ــ کے بجائے" علم غیب کا حکم کیا جانا" لکھا ہے اور آپ لوگ بھی دونوں کے فرق کو جانتے ہوئے ان کی مراد و منشا کے خلاف ان کے کلام کو بدل رہے ہیں۔

اطلاق اور حکم کا فرق

مگر عوام بیچارے نہیں جانتے وہ الجھن میں ہوں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اطلاق اور حکم کا فرق کو واضح کر دیا جائے۔ اس کو مثال سے سمجھئے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات سے زیادہ عزت و جلالت حاصل ہے۔ مگر نام نامی کے ساتھ عزوجل کہنا ممنوع ہے اس لئے کہ یہ صیغہ اللہ عزوجل کیساتھ عرف اور شرع میں خاص ہے۔ اس بنا پر اس کا اطلاق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کرنا صحیح نہیں۔ مگر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عزت وجلالت حاصل ہے تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر عزت وجلالت کا حکم کرنا حق اور ایمان ہے اور اس حکم کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہی کہ عزت وجلالت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ حضور کے لئے ثابت ہے کیونکہ حکم کرنے کے یہی معنیٰ ہیں کہ محمول کا معنیٰ موضوع کے لئے ثابت کیا جائے، عز وجل کے بھی معنیٰ یہی ہیں۔ عزت والا، جلال والا مگر چونکہ یہ صیغہ اللہ عز وجل کے ساتھ عرف وشرع میں خاص ہے اس لئے اسکا اطلاق ممنوع ہے۔ علامہ شامی نے لکھا

ان قولنا "عزوجل" مخصوص	عز وجل کا صیغہ اللہ تعالیٰ کیساتھ
باللہ تعالیٰ۔ فلا یقال محمد	مخصوص ہے تو محمد عز وجل نہیں
عزوجل وان کان عزیزا جلیلا	کہا جائیگا اگرچہ حضور اقدس صلی
(جلد خامس ص۲۴۸)	اللہ علیہ وسلم عزیز وجلیل ہیں۔

تھانوی صاحب کے بہت بڑے نیاز مند اور مدعی وکالت سنبھلی صاحب لکھتے ہیں:۔

کسی صفت کا واقع میں کسی ذات کے لئے ثابت ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اسکا اطلاق بھی اس پر جائز ہو۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ کو ہر چیز کا خالق بتایا گیا ہے اور تمام مسلمانو کا عقیدہ ہے کہ عالم کی ہر چیز صغیر ہو یا کبیر، عظیم ہو یا حقیر سب اسی کی مخلوق ہے۔ لیکن بایں ہمہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اس کو خالق القردۃ والخنازیر کہنا ناجائز ہے۔ علیٰ ہذا قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے زرع (کھیتی) کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے لیکن اس کی ذات پاک پر زارع کا اطلاق درست نہیں۔ اسی طرح بادشاہ کی طرف سے لشکر کو جو عطایا اور وظائف دیئے جاتے ہیں اہل عرب ان پر رزق کا اطلاق کرتے ہیں چنانچہ لغت کی عام کتابوں میں یہ محاورہ لکھا ہوا ہے کہ "رزق الامیر الجند"، لیکن بایں ہمہ بادشاہ کو رازق یا رزاق کہنا ہرگز درست نہیں۔ اور حضور کے خصائل مبارکہ کے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ خود ہی اپنی نعل مبارک کو ٹانک لیا کرتے تھے اور خود ہی اپنی بکری دوہ لیا کرتے تھے الخ لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاصف النعل" (جفت دوز) اور حالب الشاۃ (بکری دوہنے والا) نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ بعض اوقات ایک صفت کسی ذات میں پائی جاتی ہے اور اس کا اطلاق درست نہیں ہوتا۔ فیصلہ ص۱۴۰

اس سے معلوم ہوا کہ کہیں کوئی حکم صحیح ہو تو اسے یہ لازم نہیں کہ اس کا اطلاق بھی درست ہو ایسا بہت ہے کہ حکم صحیح ہے مگر اطلاق ممنوع ہے۔ یہ قصہ یہاں بھی ہے کہ جب قرآن مجید اور احادیث کثیرہ اور اقوال سلف وخلف سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بعطاء الٰہی حاصل ہے تو حضور کی ذات مقدس پر علم غیب کا حکم کیا جانا صحیح ہے۔ مگر چونکہ۔ لفظ عالم الغیب۔ کا اطلاق اللہ عز وجل کے ساتھ خاص ہے تو حضور کی ذات مقدس پر لفظ — "عالم الغیب" کا اطلاق صحیح نہیں۔

اس لئے تھانوی صاحب کے نیاز مندوں کا "حفظ الایمان" میں وارد اس جملے سے کہ لکھا

"آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر صحیح ہو" سے "لفظ عالم الغیب" کا اطلاق مراد لینا باطل ہے اور بالکل ایسے ہی ہے جیسے آم بول کر املی مراد لی جائے۔

بناءً علیہ یہ قطعی ہے کہ یہاں گفتگو لفظ "عالم الغیب" کے اطلاق کی نہیں۔ علم غیب کے حکم کئے جانے یعنی اس کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا یا نہیں۔ اسی کے لئے پوری عبارت لائی گئی ہے۔ اس لئے یہاں مقسم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک ہوا۔ اور بعض غیب اور کل غیب اسی کے اقسام تو بعض علوم غیبیہ سے حضور ہی کا علم مراد ہونا متعین۔ اور اسی کو کہا "ایسا علم تو زید وعمرو وبکر الخ"،

ثانیاً۔ چلئے آپ کی ضد سے تھوڑی دیر کے لئے مان لیتے ہیں کہ لغت اور عرف کیخلاف آسمان بول کر ریسمان ہی مراد ہے اور علم غیب کے حکم کرنے سے "عالم الغیب" کا اطلاق مراد ہے تو گذارش ہے کہ — یہ اطلاق اسی وقت درست ہوگا جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل ہو، آپ کے لئے علم غیب ثابت ہو، کیونکہ مبدأ اشتقاق کے

ثبوت کے بغیر مشتق کا کسی چیز پر اطلاق بداہتہ باطل ہے مثلاً جسے علم حاصل نہ ہوا سے عالم کہنا درست نہیں۔ اس پر عالم کا اطلاق باطل

یہاں تھانوی صاحب "عالم الغیب" کے اطلاق کی صحت تسلیم کرکے اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔ تو اسے لازم کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ثابت بھی مانیں۔ ورنہ اتنی لمبی عبارت کی ضرورت ہی نہ تھی، اتنا کہنا کافی تھا۔ کہ چونکہ حضور کو علم غیب حاصل نہیں اس لئے آپ کی ذات پر علم غیب کا اطلاق باطل۔ جیسے زید کو علم حاصل نہ ہو اور کوئی اسے عالم کہے تو اس کے بطلان میں اتنا کہنا کافی ہے کہ اسے علم ہی نہیں پھر عالم کہنا کسی طرح درست نہیں۔

اس لئے ماننا پڑے گا کہ تھانوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب ثابت مان کر گفتگو کر رہے ہیں کہ

اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل

اس میں۔ اس غیب سے مراد وہ غیب ہوگا جو عالم الغیب کے اطلاق کی علت ہے اور یہ علت وہی علم غیب ہے جو حضور کو حاصل ہے۔ کیونکہ جو حاصل نہ ہو وہ اطلاق کی علت ہی نہیں۔ تو اب پھر وہی علم غیب رہا جو حضور کو حاصل ہے۔ اور بعض غیب اسی کی قسم تو اب۔ بعض علوم غیبیہ سے مراد بلا شک وشبہہ حضور ہی کے علوم غیبیہ ہوئے اور انھیں کو کہا۔ ایسا علم غیب تو زید وعمرو وبکر الخ

ثالثاً۔ "ایسا" اگر کلمۂ تشبیہہ ہے۔ جیسا کہ صاحب الشہاب الثاقب نے لکھا ہے

حضرت مولانا (تھانوی) لفظ "ایسا" فرما رہے ہیں۔ لفظ اتنا تو نہیں فرما رہے ہیں۔ اگر لفظ "اتنا" ہوتا تو اسوقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے علم کو اور چیزوں کے علم کے برابر کر دیا۔ یہ محض جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر کریں تو لفظ "ایسا" تو کلمۂ تشبیہہ کا ہے" صـ۱۰۲

"ادھر لفظ "اتنا نہیں کہا۔ بلکہ تشبیہہ فقط بعضیت میں دے رہے ہیں" صـ۱۰۳

اب تھانوی صاحب کے تمام نیازمند سنبھل جائیں۔ تشبیہہ کے تین رکن ہیں۔ مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہہ۔ یعنی ایک وہ جس کو تشبیہہ دی گئی۔ دوسرے وہ جس کے ساتھ تشبیہہ دی گئی، تیسرے کس بات میں تشبیہہ دی گئی۔ مثلاً کسی نے کہا۔ زید شیر کے مثل ہے۔ تو زید مشبہ، شیر مشبہ بہ، بہادری وجہ شبہہ۔ حفظ الایمان کی عبارت میں مشبہ بہ صراحۃ مذکور ہے۔ یعنی زید وعمرو وبکر، ہر صبی ومجنون، بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کا علم۔ اور وجہ شبہہ صاحب "الشہاب الثاقب" نے بتا دیا۔ فرمایا "تشبیہہ فقط بعضیت میں ہے" اب سوال یہ ہے کہ "مشبہ کیا ہے؟ مطلق بعضیت میں" زید وعمرو وبکر بلکہ ہر بچے، پاگل ہر جانور، ہر چوپائے کے علم سے، کس کے علم کو تشبیہہ دی ہے؟ ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی پکار اٹھے گا کہ یہاں مشبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا علم غیب ہے۔ مطلق بعض مشبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مذکور ہی نہیں۔ مذکور تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علم غیب ہیں۔ اس لئے یہ صاحب الشہاب الثاقب کی کہ مکرنی کے برعکس مکرنی ان کہی ہو گئی علاوہ ازیں۔ تشبیہہ فرد کی فرد سے ہوتی ہے۔ فرد کی مطلق سے نہیں ہوتی۔ فرد کی مطلق سے تشبیہہ لغو اور مہمل ہے۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے۔ زید عمرو کے مثل ہے، شیر کے مثل ہے، یہ کہنا لغو ہے کہ زید مطلق انسان کے مثل ہے اس لئے اگر مطلق بعض کو مشبہ ٹھہرائیں گے تو پھر حفظ الایمان کی عبارت مہمل ہو جائے گی۔ تو متعین کہ مشبہ حضور ہی کا علم پاک ہے۔

رابعاً: اگر لفظ "ایسا" کو تشبیہہ کے لئے نہ مانیں بلکہ اتنا اور اسقدر کے معنیٰ میں مانیں جیسا کہ دربھنگی اور سنبھلی صاحبان کی تحقیق ہے۔ تو بھی ان ایرادات سے چھٹی نہیں۔ اول الذکر نے توضیح البیان میں لکھا

" واضح ہو کہ "ایسا" کا لفظ فقط مانند اور مثل ہی کے معنیٰ میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنیٰ اسقدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ متعین ہیں" صـ۸

" اور اگر وجہ تکفیر کی تشبیہہ علم نبوی بعلم زید وعمرو ہے۔ تو یہ اس پر موقوف ہے کہ لفظ "ایسا" تشبیہہ کے لئے ہو۔ حالانکہ یہ یہاں غلط ہے اور علاوہ غلط ہونے کے محتاج ہے حذفِ کلام بلکہ مسخ کلام کا۔" صـ۱۳

"عبارت متنازعہ فیہا میں لفظ ایسا بمعنی اسقدر اور اتنا ہے پھر تشبیہ کیسی"۔ ص۱۷

ناظرین ذہن کا مزہ بدلنے کے لئے اس خانہ جنگی کا بھی لطف حاصل کرلیں۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث فرمارہے ہیں۔ کہ اس عبارت میں۔ ایسا کلمہ تشبیہ ہے اور اسی دارالعلوم کے ناظم شعبۂ تبلیغ یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ یعنی تشبیہ محتاج ہے حذف کلام اور مسخ کلام کو۔ تو مدرسہ دیوبند کے شیخ الحدیث صاحب نے حفظ الایمان کی تاویل و توجیہ نہیں کی اسے مسخ کردیا اور خود ناظم صاحب نے کیا کیا، وہ اگر شیخ الحدیث صاحب زندہ ہوتے تو بتاتے۔ مگر ناظرین نہ گھبرائیں آگے آرہا ہے۔

اور سنبھلی صاحب روداد مناظرہ بریلی میں لکھتے ہیں۔

"حفظ الایمان کی اس عبارت میں ایسا تشبیہ کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ یہاں بدون تشبیہ کے "اتنا" کے معنیٰ میں ہے۔ ص۳۴

وہ بغیر تشبیہ کے اتنا کے معنیٰ میں ہے"۔ ص۴۴

"ایسا" تشبیہ کے علاوہ دوسرے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور حفظ الایمان کی عبارت میں وہ بلا تشبیہ کے اتنا کے معنیٰ میں مستعمل ہے"۔ ص۴۴

اس پر بھی وہی گذارش ہے کہ ۔ ایسا بمعنی اتنا بھی مراد لیں تو اس کا اشارہ اس عبارت میں ماقبل مذکور کی طرف ہوگا۔ اور بار ہا گذر چکا کہ ماقبل مذکور وہی ۔ بعض علوم غیبیہ" ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ مطلق بعض مذکور ہی نہیں۔ پھر اس کی طرف اشارہ ممکن ہی نہیں۔ تو اب حفظ الایمان کی اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ جتنا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ ایسا یعنی اتنا زید و عمر و بکر وغیرہ کو بھی حاصل ہیں۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم پاک کی زید و عمر و بکر کے علوم سے برابری ہوگئی۔ علاوہ ازیں پھر وہی استحالہ۔ کہ فرد فرد کے مساوی ہوتا ہے۔ فرد مطلق کے مساوی نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے زید اتنا لمبا ہے جتنا عمرو۔ یہ کہنا لغو اور مہمل ہے کہ زید اتنا لمبا ہے جتنا مطلق انسان۔ اور یہاں فرد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ہے۔ اس لئے لازم آیا کہ اس عبارت میں زید و عمرو بکر کے علم غیب کے مساوی حضور ہی کے علم غیب کو بتایا گیا ہے۔

ایک اور احتمال کی تردید

کبھی "ایسا" کسی وصف کی اچھائی اور عمدگی بتانے کیلئے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید نے ایسا وعظ کہا کہ طبیعت خوش ہوگئی۔ تم نے ایسا لکھا ہے کہ جی چاہتا ہے تمھارے منہ پر ماردوں۔

جواب

یہ احتمال اگر تھانوی صاحب کے کوئی نیازمند اختیار کرلیں تو اس عبارت کا توہین کے لئے ہونا اجلیٰ طور پر ظاہر ہوجائیگا۔ "ایسا" اس معنیٰ میں وہیں مستعمل ہوتا ہے جہاں ایسا سے مراد صفت مع موصوف ہو یا فعل مع فاعل ہو۔ مثلاً زید نے ایسا وعظ کہا۔ زید کا بیان ایسا تھا۔ مطلق بعض صرف وصف ہے۔ اس لئے یہ ایسا سے مراد نہیں ہوسکتا۔ جب مراد ہوگا تو حضور ہی کا علم غیب ہوگا۔ اور ایسا کے بعد جو مذکور ہے جو خست پر دلیل ہے تو لازم کہ حفظ الایمان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی صراحۃ تحقیر و تذلیل کی گئی۔ کیونکہ اب اس عبارت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ وہ بعض علوم غیبیہ جو حضور کو حاصل ہیں۔ ایسے ہیں کہ زید و عمرو و بکر کو بھی حاصل ہیں۔

خامساً

تھانوی صاحب اپنے مذہب کے حکیم الامت تھے۔ اور حکیم کا کوئی قول بھی فعل کی طرح حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ان کے رموز کو یہ نیازمند لوگ کیا جانیں۔ انھوں نے یہ لکھکر ۔ تو حضور ہی کی کیا تخصیص ہے؟" اس پر مہر کردی ہے کہ وہ حضور اقدس ہی کے علم کو لکھ رہے ہیں کہ ۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بکر کو بھی حاصل ہے اس لئے کہ یہ جملہ استفہامیہ معنیٰ میں نفی کے ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا۔ حضور کی کوئی تخصیص نہیں حضور کے اس وصف میں ہر کس و ناکس حتیٰ کہ بچے، پاگل جانور چوپائے بھی شریک ہیں۔ یہ وصف کیا ہے وہی جو پہلے مذکور ہے۔ حضور کے لئے بعض علوم غیبیہ کا حصول ۔ اس لئے کہ تخصیص کی نفی کو مشارکت لازم ہے۔

سادساً

تھانوی صاحب نے خود بھی اور ان کے نیازمندوں نے بھی عوام کو بھول بھلیوں میں لے کر پھنسانا چاہا تھا اس لئے ہم کو بھی عوام کو بچانے کی کوشش کرنی پڑی۔ ورنہ اس عبارت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین دو اور دو چار کی طرح واضح ہے۔

تھانوی صاحب یہاں یہ تسلیم کر کے گفتگو کر رہے ہیں کہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا، پھر اس کی دو قسمیں کیں بعض اور کل۔ کل کے حاصل ہونے کو بعد میں عقلاً، نقلاً باطل مانا۔ اب حضور کو حاصل نہ رہا مگر بعض۔ اور اسی بعض کو کہا ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر بلکہ ہر بچے، پاگل بلکہ ہر جانور ہر چوپائے کو بھی حاصل ہے بعد میں اپنی اس مراد پر تھانوی صاحب نے مزید توثیق کر دی لکھتے ہیں۔

"کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہونگا تو پھر غیب منجملہ کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبویہ سے کب ہو سکتا ہے اور اگر التزام نہ کیا جائے تو نبی غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔ اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اسکا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی اور نقلی سے ثابت ہے۔"

اس عبارت کی شرعی قباحت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین ایک بات ذہن نشین کر لیں۔ عالِم کے معنیٰ جاننے والے کے ہیں اور تھوڑا بہت علم ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو حاصل ہے مگر سب کو عالم نہیں کہتے۔ عالم اسے کہتے ہیں جسے کثیر وافر قدر معتد بہ علم حاصل ہو۔ اسی طرح یہاں بھی یہ احتمال سامنے کا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ غیب کے علوم کثیرہ وافرہ حاصل ہیں۔ اتنے کہ نہ کسی ملک مقرب کو اس کا عشر عشیر حاصل ہے نہ کسی نبی مرسل کو تو حضور کی ذات مقدس پر علم غیب کا حکم ان کثیر وافر علوم غیب کے حصول کی بنا پر بلاشبہہ صحیح ہے۔ اور اسی بنا پر غیب داں ہونا بلاشبہہ کمالات نبوت سے ہے اور یہی نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق ہے۔

اب اگر تھانوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس و ناکس بچوں، پاگلوں، جانوروں چوپایوں کے علم قلیل و اقل کے مثل نہ مانتے بلکہ کثیر وافر مانتے جو غیب داں کہلانے کے لئے کافی تھا تو ــــ پھر یہ کبھی نہ لکھتے:

"تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے" ــــ اور نہ یہ لکھنے کی ہمت کرتے کہ "پھر غیب کو منجملہ کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے"؟ اور نہ اس کی جرأت کرتے کہ صاف صاف لکھدیں۔

"تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔"

اس لئے کہ اس صورت میں جواب بالکل ظاہر تھا ــــ کہ سب کو عالم الغیب اس لئے نہیں کہتے کہ ان کا علم اقل قلیل لایعبا بہ کے درجے میں ہے۔ غیب کا علم کمالات نبوت سے اس بنا پر ہے کہ انبیاء اتنا کثیر و وافر علم غیب جانتے ہیں کہ دوسروں کو اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں۔ اور ان رذیل چیزوں کو اگر بقول تھانوی صاحب حاصل ہے تو اقل قلیل نا کے برابر اور نبی غیر نبی میں فرق یہ ہے کہ نبی کثیر وافر غیب جانتا ہے ــــ اور یہ رذیل چیزیں بقول تھانوی صاحب بہت تھوڑی معمولی "نا" کے برابر۔

اس عظیم و جلیل فرق کے ہوتے ہوئے بہ بانگ دہل یہ لکھدینا کہ "تو چاہیئے کہ سبکو عالم الغیب کہا جائے۔" "پھر غیب کو منجملہ کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے؟" "نبی غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔" اس پر برہان قاطع ہے کہ تھانوی صاحب کا واقعی عقیدہ یہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پاک ہر کس و ناکس، بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپایوں کے رذیل علم کے مشابہ اور ان کے اقل قلیل علم کے مساوی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حفظ الایمان کی یہ عبارت لغو و مہمل ہو۔ اس کے دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو اور سوال از آسمان جواب از ریسمان والا مضمون ہو جائے۔

غیر جانبداروں کی شہادتیں

حفظ الایمان کی اس عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ایسی کھلی ہوئی دو ٹوک ہے کہ جو بھی اسے سنتا ہے۔ وہ اسے توہین اور گستاخی ہی سمجھتا ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے بارے میں تو دیوبندی مذہب کے اکابر، اصاغر عداوت، حسد پر محمول کرتے ہیں۔ اس لئے ہم کچھ غیر جانبدار حضرات کی شہادات پیش

کرتے ہیں۔ جنھوں نے نہایت واضح غیر مبہم الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ حفظ الایمان کی یہ عبارت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کھلی ہوئی شدید گستاخی ہے۔

پہلی شہادت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ان کے وارث حضرت مولانا محی الدین شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرٹھ، الٰہی بخش صاحب کی کوٹھی میں تھے۔ وہاں امام المناظرین حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے حامی ایک بزرگ پیر سید گلاب شاہ اور تھانوی صاحب اور قاری طیب کے والد حافظ احمد بھی تھے۔ کہ

"پیر سید گلاب شاہ نے، مولوی اشرفعلی صاحب کی کتاب "حفظ الایمان" کے صہ۸ کا حوالہ دیتے ہوئے سنایا ـــ دریافت طلب یہ امر ہے ـــ کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے الخ۔ یہ سنکر آپ (مولانا ابوالخیر صاحب) نے مولوی اشرفعلی سے کہا۔ کیا یہی دین کی خدمت ہے۔ تمھارے بڑے تو ہمارے طریقے پر تھے۔ تم نے اس کیخلاف کیوں کیا۔ مولوی صاحب (اشرفعلی) نے کہا۔ میں نے اس عبارت کی توضیح اپنے دوسرے رسالہ میں کردی ہے۔ آپ (مولانا ابوالخیر صاحب) نے بجواب ارشاد فرمایا تمھارے اس رسالے کو پڑھ کر کتنے لوگ گمراہ ہوگئے۔ ہم دوسرے رسالہ کو لے کر کیا کریں گے۔

(بزم خیر از زید صہ۱۱، مقامات خیر صہ۲۴۲ صہ۲۴۹)

اور خود تھانوی صاحب نے اسے بیان کیا کہ حضرت مولانا ابوالخیر صاحب نے تھانوی صاحب کو اپنی جماعت میں شریک ہونے سے روک دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنی فطری موروثی خوش اخلاقی کیوجہ سے خوبصورتی کے ساتھ جب جماعت تیار ہوگئی تو

مولانا ابوالخیر صاحب نے مصلی پر جاتے ہوئے فرمایا۔ میری جماعت والوں کے سوا جو اور لوگ ہوں وہ علاحدہ ہو جائیں۔ (بزم جمشید)

حالانکہ جب تھانوی صاحب آئے تھے تو شاہ ابوالخیر صاحب باوجود پیرانہ سالی اور

ضعف کے کھڑے ہوکر ملے تھے۔ مگر محبوب خدا کی شان اقدس میں گستاخی پر مطلع ہونے کے بعد نماز میں شریک نہ ہونے دیا۔

انھیں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب کے صاحبزادے جناب مولانا ابوالحسن زید صاحب لکھتے ہیں؛

"حفظ الایمان کی عبارت، براہین قاطعہ کی (کنہیا والی) عبارت سے قباحت اور شناعت میں بڑھی ہوئی ہے ـــ وہ لکھتے ہیں۔ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب الخ۔ اس رسالہ کے چھپتے ہی ہندوستان کے طول وعرض میں عام طور پر مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ کے نیک بندے متحیر تھے کہ مولوی صاحب نے کیا لکھا ہے۔ کہاں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا علم شریف "چاہے وہ علم شریف ایک بدیہی امر کا کیوں نہ ہو" ـــ اور کہاں زید وعمرو اور صبی ومجنون اور حیوانات وبہائم کا علم"۔ (بزم خیر از زید صہ۲۲)

اس رسالے کے چھپتے ہی مولوی صاحب پر اعتراضات شروع ہوگئے۔ مولوی صاحب اپنی عبارت پر صاف دل سے غور کرتے۔ یقیناً ان پر ظاہر ہوجاتا کہ عبارت میں بڑا سقم ہے اور اس کا ازالہ واجب ہے۔ لیکن دس سال تک مولوی صاحب نے خاموشی اختیار کی اور ۱۳۲۹ھ کو مولوی مرتضیٰ حسن صاحب (دربھنگی) کے استفسار پر مولوی صاحب نے چار پانچ صفحہ کا رسالہ "بسط البنان" تحریر کر دیا۔ اس رسالہ میں انھوں نے اپنی عبارت کی تاویل کی ہے، حالانکہ یہ ایک امر بدیہی ہے کہ تشریح اور تاویل اسی وقت کیجاتی ہے جب کلام میں کوئی غموض یا ابہام ہو یا پھر اس کے سمجھنے سے بیشتر افراد قاصر ہوں۔ مولوی صاحب کی تاویلات میں سے ایک تاویل یہ ہے کہ۔ لفظ ایسا ہمیشہ تشبیہ کے لئے نہیں آتا۔ بلغاء اہل لسان اپنے محاورات فصیحہ میں بولتے ہیں کہ اللہ ایسا قادر ہے مثلاً الخ مولوی صاحب کو خیال کرنا چاہئے تھا۔ کہ یہ رسالہ عوام کے لئے لکھا گیا ہے، اسمیں ایسی عبارت لکھنے کی کیا

ضرورت تھی جس کے سمجھنے سے عوام کیا خواص اور علماء تک قاصر ہیں اور پھر لفظ "ایسا" تو لغوی بحث ہے۔ اردو کی مستند کتابوں میں اسکو دیکھ لیا جائے صورت حال ظاہر ہو جائے گی۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ لفظ "ایسا" دو طرح استعمال ہوتا ہے۔

یا تو یہ لفظ صفت واقع ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کے معنی مماثل، مساوی اور "اس قسم" کے ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ خط تم نے لکھا، ایسا خط تو بچہ بھی لکھ لے۔ یہ کام تم نے کیا، ایسا کام تو کوئی ہوشمند نہ کرے۔

اور یا یہ (ایسا) لفظ تابع فعل واقع ہوتا ہے اور اس صورت میں اسکے معنیٰ "اسقدر" اور "عمدہ" کے ہوتے ہیں۔ مثلاً تم نے ایسا خط لکھا کہ دل خوش ہو گیا۔ ایسی بات کہی کہ دل بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب کی عبارت میں لفظ ایسا صفت واقع ہو رہا ہے اور یہ عبارت کہ "حضور ہی کی کیا تخصیص" معاملہ کو واضح تر کر رہی ہے۔ مولوی صاحب نے اس رسالہ میں اپنی دس سالہ خاموشی کی وجہ اس طرح بیان کی ہے کہ "کسی نے بھلے مانسوں کی طرح پوچھا ہی نہیں تھا"

سبحان اللہ کیا خوب علت بیان کی ہے۔ مسئلہ کی نزاکت کا خیال نہیں، عوام کے ایمان برباد ہونے کا احساس نہیں اور بھلے مانسوں اور بڑے مانسوں کے لکھنے کا اثر لیا جا رہا ہے۔ آخر ایسی عبارت لکھی ہی کیوں جس سے مسلمانوں کے دل متألم (دکھی) ہوتے۔ (بزم خیر ص۲۴)

ان دونوں حضرات کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے کسی قسم کا کوئی لگاؤ نہ تھا، نہ استادی شاگردی کا نہ پیری مریدی کا نہ نسبت کا نہ رشتہ کا حتیٰ کہ دوستی کا بھی لگاؤ نہ تھا۔ بلکہ ان میں سے موخر الذکر نانوتوی صاحب کے تلمیذ مولوی عبد العلی میرٹھی کے شاگرد تھے۔ اور نانوتوی، گنگوہی صاحبان شاہ عبد الغنی صاحب کے تلمیذ تھے جو حضرت مولانا ابو الخیر صاحب کے دادا شاہ احمد سعید کے بھائی تھے۔ بلکہ گنگوہی صاحب شاہ احمد سعید

کے بھی تلمیذ تھے۔ اس طرح دیوبندی مذہب کے بانیوں سے ان حضرات کا ایک گونا تعلق تھا مگر پھر بھی انھوں نے حفظ الایمان کی عبارت کو ایمان برباد کرنیوالی، مسلمانوں کے دلوں کو رنجیدہ کرنے والی وغیرہ فرمایا۔ اور اس میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین بتایا۔ انھیں کیا حسد تھا، کیا کمی تھی اور کیا غرض وابستہ تھی، صاف تصریح ہے کہ

"اس رسالے کے چھپتے ہی ہندوستان کے طول و عرض میں عام طور پر مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ مولوی صاحب پر اعتراضات شروع ہو گئے۔"

کیا پورا ہندوستان مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا مرید، تلمیذ تھا۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایمان نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین پر انھیں بے چین کر دیا۔

تیسری شہادت

مقامات خیر ص۶۱۶ کے حاشیے پر حضرت مولانا پیر سید محمد جیلانی بغدادی رفاعی، قادری نقشبندی، خالدی، حیدرآبادی ثم المدنی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے پوتے سید نذیر الدین ولد سید معین الدین کہتے ہیں

"میرے دادا (پیر سید محمد بغدادی) کے پاس حیدرآباد کے لوگ مولوی اشرفعلی کا رسالہ "حفظ الایمان" لائے اور اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا۔ آپ نے رسالہ پڑھ کر فرمایا۔ علم غیب کے متعلق مولوی اشرفعلی نے نہایت قبیح عبارت لکھی ہے۔ اس کے چند روز بعد "مکہ مسجد" میں مولوی اشرف علی بیٹھے تھے۔ میرے دادا نے کھڑے ہو کر مولوی اشرفعلی کے رسالہ کی قباحت بیان کی اور کہا کہ اس عبارت سے بوئے کفر آتی ہے۔ پھر چند روز بعد مولانا حافظ احمد (فرزند مولانا قاسم) کے مکان پر علماء کا اجتماع ہوا۔ چونکہ حافظ (احمد) صاحب کو میرے دادا سے محبت تھی اسلئے انھوں نے آپ کو بلایا اور آپ تشریف لے گئے۔ وہاں حفظ الایمان کی عبارت پر علماء نے اظہار خیال کیا۔ آپ نے اس رسالہ کی قباحت کا بیان کیا اور رسالہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ پھر تھوڑے دن بعد آپ نے خواب [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے رسالہ

"حفظ الایمان" کی عبارت رد کرنے اور اس کو قبیح کہنے پر اظہار خوشی فرما رہے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا۔ ہم تم سے خوش ہوئے۔ تم کیا چاہتے ہو۔ آپ نے عرض کی۔ کہ میری تمنا ہے کہ اپنی باقی ماندہ زندگی مدینہ منورہ میں بسر کروں۔ اور مدینہ کی پاک مٹی میں مدفون ہوں۔ آپ کی درخواست منظور ہوئی اور آپ اس کے بعد مدینۂ طیبہ ہجرت کر گئے۔ دس سال وہاں مقیم رہے اور ۱۳۶۴ھ میں رحلت فرما گئے۔"

حفظ الایمان کی اس عبارت کے سلسلے میں جو حضرات بھی کسی قسم کے تذبذب کے شکار ہوں ان کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ ان مولانا حضرت سید پیر محمد صاحب بغدادی کو تھانوی صاحب سے کیا حسد تھا۔ کیا عداوت تھی۔ کہ انھوں نے اس عبارت کے خلاف فتویٰ دیا وہ بھی تھانوی صاحب کے محب خاص کے گھر بیٹھکر اور تھانوی صاحب کے روبرو اس کا رد فرمایا اور صاف صاف فرمایا کہ "اس عبارت سے بوئے کفر آتی ہے۔ اصل بات وہی ہے کہ یہ عبارت چینی، جاپانی، لاطینی، سنسکرت میں نہیں کہ اسے کوئی نہ سمجھے۔ ہر اردو داں جو معمولی سمجھ بوجھ رکھتا ہے وہ اسے پڑھ کر اول وہلہ میں کہدے گا اس میں بلا کسی شک و تردد کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین ہے۔

شرح مواقف اور شرح طوالع کی عبارتیں

تھانوی صاحب نے خود بھی اور ان سے سیکھکر ان کے نیاز مند بھی اس کفر جلی بلکہ اجلیٰ سے جان بچانے کے لئے شرح مواقف اور شرح طوالع کی عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں — للہ انصاف درکار ہے۔ کیا ان عبارتوں کا وہی مفہوم نہیں — جو حفظ الایمان کا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان دونوں عبارتوں کو نقل کر کے حفظ الایمان کی عبارت اور ان کتابوں کے فرق کو واضح کر دیں۔ شرح مواقف میں ہے۔

قلنا ما ذکرتم مردود

اے فلاسفہ تم نے جو کہا وہ کئی وجہ سے

بوجوہ اذ الاطلاع علی جمیع المغیبات لایجب لنبی اتفاقا منا ومنکم ولهذا قال سید الانبیاء ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء والبعض ای الاطلاع علی البعض لایختص به ای بالنبی

مردود ہے کیونکہ اس پر ہمارا تمھارا اتفاق ہے کہ تمام مغیبات پر نبی کیلئے مطلع ہونا ضروری نہیں اسی وجہ سے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں (کل) غیب جانتا تو خیر کثیر جمع فرمالیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی اور بعض غیب پر مطلع ہونا نبی کے ساتھ خاص نہیں"

(موقف سادس، مرصد اول، مقصد اول ص ۲۱۹)

مطالع الانظار شرح طوالع الانوار للبیضاوی کی عبارت یہ ہے:

فذهب الحکماء الیٰ ان النبی من کان مختصا بخواص ثلث۔ الاولیٰ ان یکون مطلعا علی الغیب بصفاء جوهر نفسه وشدة اتصاله بالمبادی العالیة من غیر سابقة کسب وتعلیم وتعلم (الیٰ قوله) قد اورد علی هذا بانهم ان ارادوا بالاطلاع الاطلاع علی جمیع الغائبات فهو لیس بشرط فی کون الشخص نبیا بالاتفاق وان ارادوا به الاطلاع علی بعضها فلا یکون ذالك خاصة

فلاسفہ کا مذہب یہ ہے کہ نبی وہ ہے جس میں تین خاصے ہوں پہلا یہ کہ بغیر تعلیم و تعلم کے اپنے نفس کے جوہر کی صفائی اور مبادی عالیہ کے ساتھ شدت اتصال کی بدولت غیب پر مطلع ہو۔ اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ انھوں نے غیب پر مطلع ہونے سے اگر تمام غیوب پر مطلع ہونا مراد لیا ہے تو بالاتفاق کسی کے نبی ہونے کیلئے یہ شرط نہیں۔ اور اگر انھوں نے بعض غیب پر مطلع ہونا مراد لیا ہے۔ تو یہ نبی کا خاصہ نہیں اس لئے کہ بعض غیب پر مطلع ہونا ہر ایک کیلئے تعلیم و تعلم کے بغیر ممکن ہے اور نیز تمام نفوس بشریہ متحد بالنوع ہیں

لنبی اذما من احد الا ویجوز
ان یطلع علی بعض الغائبات
من دون سابقة تعلیم وتعلم
وایضا النفوس البشریة
کلها متحدة بالنوع فلا
تختلف حقیقتها بالصفا و
الکدر فما جاز لبعض۔ جاز
ان یکون لبعض اخر فلا یکون
خاصة للنبی۔

توصفائی اور کدورت سے اس کی
حقیقت بدل نہیں سکتی تو جو چیز ایک
کے لئے ممکن ہے دوسرے کیلئے بھی ممکن
ہے تو یہ نبی کا خاصہ نہ ہوگا۔

(طبع استانبول ص ۴۰۸)
(طبع مصر ص ۱۹۹)

تھانوی صاحب نے بسط البنان میں شرح مواقف کی عبارت نقل کرکے لکھا
" انصاف درکار ہے۔ کیا لا یختص کا وہی مفہوم نہیں جو حفظ الایمان کا ہے۔"
اور حاشئے میں شرح طوالع کی عبارت یہ کہہ کے نقل کی
" اس عبارت سے بھی اصرح حاشیہ مطالع الانظار شرح طوالع الانوار للبیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ذیل ہے۔
مگر ہمیں حیرت ہے کہ تھانوی صاحب نے جس عبارت کو اصرح کہا اسے ان کے مدعی وکالت سنبھلی صاحب نے اپنے کتابچے " فیصلہ کن مناظرہ " میں نہیں نقل کیا۔ کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔

ناظرین! شرح مواقف اور شرح طوالع کی جتنی عبارت تھانوی صاحب نے اپنی تائید میں نقل کردی ہے۔ جو حضرات عربی جانتے ہیں وہ عربی عبارت کو ایک بار پھر بغور پڑھیں۔ اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت سے موازنہ کریں تو ان پر واضح ہو جائیگا۔ کہ دونوں میں کتنا فرق ہے۔

اولاً بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ بطور کلیہ اجمال کیساتھ صحیح اور حق اور ایمان ہیں۔ مگر اس کلیئے کی بعض جزئیات کی تفصیل ممنوع بلکہ کفر ہو جاتی ہے۔ مثلاً بلا شبہہ اللہ عزوجل

ہر چیز کا خالق ہے۔ اور یہی ایمان ہے۔ اگر کوئی کسی بھی چیز کا خالق اللہ عزوجل کو نہ مانے تو کافر۔ مگر اللہ عزوجل کو خالق القردة والخنازیر یعنی بندروں اور سوروں کا خالق کہنا سخت ممنوع بلکہ بہت سے علماء نے کفر لکھا ہے۔ اور اتنی بات تھانوی صاحب کے نیازمندوں کو بھی تسلیم ہے۔ ایک نیازمند کا قول گزر چکا۔ دوسرے صاحب کی سُنیئے صاحب الشہاب الثاقب، لکھتے ہیں:

" دیکھئے جملہ اشیاء کا پیدا کرنے والا خداوند کریم ہے لیکن اس کو خالق القردة والخنازیر یعنی پیدا کرنے والا سور اور بندروں کا ممنوع ہوا بوجہ اہانت کے۔ ص ۱۰۵

یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ شرح موافق میں ہے۔ الاطلاع علی البعض لا یختص بالنبی اور شرح طوالع میں ہے فلا یکون ذالک خاصة لنبی اذما من احد والا یجوز ان یطلع علی البعض۔ یعنی بعض غیب پر مطلع ہونا نبی کا خاصہ نہیں۔ ہر شخص بعض غیب پر مطلع ہو سکتا ہے۔

کہاں یہ۔ اور کہاں حفظ الایمان کی یہ عبارت کہ
" اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو ہر زید و عمرو و بکر بلکہ ہر صبی و مجنون، جملہ حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔"

اس عبارت میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خصوصیت سے ذکر کر کے خاص حضور کے علم پاک کو ہر کس و ناکس حقیر و رذیل چیزوں کے علم سے تشبیہ دی یا برابر کہا۔ پہلے تخصیص کی نفی کی جس سے ان رذیل و حقیر چیزوں کے علم میں مشارکت ثابت کی پھر اس کی تصریح کر دی کہ ایسا علم غیب تو سب کو حاصل ہے۔

انصاف شرط ہے کیا بالکل وہی فرق نہیں جو خالق کل شئی ـــ اور خالق القردة والخنازیر میں ہے

ثانیاً۔ ہر انسان اللہ عزوجل کا بندہ ہے۔ خواہ وہ شیخ ہو یا چمار۔ یہ کہنا صحیح ہے کہ ہر انسان اللہ عزوجل کا بندہ ہے ـــ مگر یہ کہنا ـــ کہ زید چمار کے مثل یا چمار کے برابر اللہ کا بندہ ہے۔ ضرور زید کی توہین ہے۔ حفظ الایمان میں یہ دوسری صورت ہے۔

کیونکہ صاف صاف کہا۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر الخ کو بھی حاصل ہے اسلئے
اس میں یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین ہے، بخلاف شرح مواقف
وشرح طوالع کی عبارتوں کے کہ وہ پہلی مثال کے مطابق ہیں۔

ثالثاً:۔ حفظ الایمان کی عبارت کے شروع میں ہے:

"آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے تو
دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل"

جس کا حاصل یہ نکلا کہ تھانوی صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علم غیب
ثابت مان کر پوچھ رہے ہیں کہ اس غیب سے مراد بعض ہے یا کل۔ یعنی حضور کو بعض غیب
حاصل ہے یا کل۔ کل کو عقلاً، نقلاً باطل مانا تو حضور کو بعض ہی غیب حاصل ہوا اور
اسی کو کہا

"ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر الخ کو بھی حاصل ہے"

شروع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پر بحث کرتے ہوئے اسی کی تقسیم کی اسی
کی ایک قسم کو وہ لکھا۔ بخلاف ان دونوں کتابوں کے کہ ان میں نہ تو نبی کا علم مقسم ہے نہ
کسی نبی کے علم کی تقسیم ہے اور نہ کسی نبی کے علم کی حقیر چیزوں کے علم سے تشبیہ ہے نہ تساوی
پھر ان دونوں کتابوں کی عبارتوں کو حفظ الایمان کی عبارت کے اشبیہ کہنا آنکھ میں دھول
جھونکنا ہے۔

رابعاً:۔ یہ کلام برسبیل تنزل تھا۔ ورنہ یہاں معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ تھانوی صاحب
اور ان کے ہم مذہب لوگ علمائے اہلسنت کو ہمیشہ یہ طعن دیتے آئے ہیں ہم انکے بزرگوں
کی پوری کتاب نقل نہیں کرتے۔ کتر بیونت کرکے صرف اتنی عبارت نقل کرتے ہیں جن پر
اعتراض ہوتا ہے۔ حالانکہ جو عبارت بھی نقل کیجاتی ہے وہ پوری ہوتی ہے۔ اس کا مبتدا
خبر کے ساتھ اور خبر مبتدا کیساتھ مع لواحق فعل فاعل کیساتھ مع متعلقات مذکور ہوتے
ہیں۔ اس کی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتا کہ کبھی ایسی عبارت نقل کی گئی ہو جسمیں مبتدا ہو خبر
نہ ہو۔ خبر ہو مبتدا نہ ہو۔ فعل ہو اور فاعل غائب ہو یا فاعل ہو فعل مذکور نہ ہو یا انکے متعلقات

جو مذکور ہوں چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ مگر تھانوی صاحب نے یہاں کتر بیونت، کاٹ چھانٹ
کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ مذکور ہے وہ ان
علماء کا اپنا فرمودہ ہے۔ حالانکہ وہ فلاسفہ کی بکواس ہے اور انھیں کا رد انھیں کے
مسلمات سے ہے۔ شرح مواقف کی جو عبارت بسط البنان میں منقول ہے۔ اسکی ابتداء ان کلمات سے ہے
ماذکرتم مردود۔ تمنے جو کہا وہ مردود ہے۔ تو ضروری تھا کہ فلاسفہ نے جو کہا تھا۔ اسے بھی بتایا جاتا۔ مگر اسے
کیسے بتاتے۔ تھانوی صاحب نے خود اپنے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

کہ میری پیدائش کا مادہ تاریخ کرم عظیم ہے۔ اسے مکر عظیم بھی کہا جا سکتا ہے
اور میں قوم کا شیخ ہوں میرے اندر یہ مادہ ہے۔ اپنی اس قومی ذہانت سے جانتے
تھے کہ اگر فلاسفہ کی بات نقل کر دیں گے تو پھر سارا بنا بنایا کھیل ختم ہو جائیگا۔

بات یہ ہے کہ متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کسبی نہیں خالص وہبی ہے اور فلاسفہ
کہتے ہیں کہ مجاہدہ، ریاضت سے بھی نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔ جسمیں تین باتیں پائی
جائیں وہ نبی ہوگا۔ مواقف اور اس کی شرح میں مذکورہ بالا عبارت کے پہلے متکلمین اور
فلاسفہ کے مسلک کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

النبی فهو عند اهل الحق	اشاعرہ وغیرہ مذہب کے پابند اہل حق کے
من الاشاعرة وغیرهم	نزدیک نبی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے
من الملیین من قال له تعالی	اپنے ان بندوں میں سے چن کر جس نے
ممن اصطفیناه من عباده	منتخب فرما لیا ہے۔ یہ فرمایا ہو میں نے
ارسلتك او بلغهم عنی	تمہیں رسول بنایا۔ یا یہ فرمایا ہو میرا
ونحوه ولا یشترط فیه شرط	پیغام پہنچا دو۔ اور اس میں مجاہدات
من الاعراض والاحوال	وریاضت سے کسب کئے ہوئے اعراض
المکتسبة بالریاضات	اور احوال کی اور استعداد ذاتی کی کوئی
والمجاهدات والاستعداد	شرط نہیں۔ جیسا کہ فلاسفہ گمان کرتے
الذاتی کما تزعمه الحکماء بل الله	ہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ اپنے بندوں میں

علم غیب تو بیماروں، پاگلوں کو بھی حاصل ہے۔ پھر تمھارے ہی مسلمات پر انل قلیل علم غیب کا حصول نبی کا خاصہ کہاں رہا۔ اب اس کے بعد حفظ الایمان کی عبارت پڑھئے لکھتے ہیں:

"اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسمیں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر الخ

کیا اس عبارت کو مواقف اور اس کی شرح کی عبارتوں سے اتنا بھی تعلق ہے جتنا زمین کو آسمان سے۔ مشرق کو مغرب سے، دن کو رات سے۔ کہاں فلاسفہ کے ہذیان کا رد انھیں کے مسلمات سے۔ اور کہاں اپنے عقیدے کا بیان۔

ایک مسلمان نے اپنا یہ عقیدہ بیان کیا۔ علم غیب کی دو قسمیں ہیں بالذات۔ اس معنیٰ کر عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ اور بواسطہ۔ اس معنیٰ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ زید کا یہ استدلال اور عقیدہ و عمل کیسا ہے۔

اس کے جواب میں حفظ الایمان میں تھانوی صاحب نے اپنا یہ عقیدہ بیان فرمایا۔ کہ زید نے جو یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بواسطہ علم غیب حاصل ہے۔ اس سے اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اسمیں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید و عمرو و بکر الخ

اور کہاں فلاسفہ کے اس ہذیان پر کہ نبوت کسبی ہے۔ ان کے مسلمات سے انھیں الزام دینا کہ خود تمھاری تسلیم کردہ باتوں پر لازم کہ علم غیب نبی کا خاصہ نہ رہے۔ ہمیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے

ع کیں رہ کہ تو می روی ترکستان ست

ایسی صورت میں جبکہ مجدد اعظم اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور ان سے وابستہ ہی افراد نہیں دوسرے غیر متعلق لوگ بھی حفظ الایمان کی اس عبارت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بتا رہے ہیں۔ پھر بھی تھانوی صاحب کے نیازمند اور تمام دیوبندی مذہب کے پرستار اس کی بے جا، بے تکی تاویلیں کر رہے ہیں۔ جو حقیقت

میں تاویل نہیں اس عبارت کی تبدیل و تحریف ہے۔ اس کی کیا امید کیجا سکتی ہے کہ ان لوگوں کو قبول حق کی توفیق ہوگی۔ ہم ان کے معاملے کو داور محشر کے سپرد کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ وہی احکم الحاکمین ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے سینے میں ایمان کی ذرا بھی رمق محسوس کرتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ وہ اکابر دیوبند کی مذکورہ بالا عبارتیں اور ان کے نیازمندوں کی توجیہیں۔ اور پھر ان پر ہمارے معروضات کو خالی الذہن غیر جانبدار ہو کر پڑھیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ ان پر واضح ہو جائیگا کہ یہ عبارتیں کفری ہیں۔ ان میں ضروریات دین کا انکار ہے۔ اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔

حفظ الایمان میں اللہ عزوجل کے عالم الغیب ہونے کا انکار

حفظ الایمان جس سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے وہ ابھی مذکور ہوا ہے۔ اس پر ایک نظر ڈال لیں۔ زید نے یہ کہا ہے۔ علم غیب کی دو قسمیں ہیں۔ بالذات۔ اس معنیٰ کر عالم الغیب حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ اس کے جواب میں بعد اللتیا والتی اخیر میں لکھا

"اجوبۂ مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ زید کا عقیدہ اور قول سراسر غلط اور خلاف نصوص شرعیہ ہے ہرگز اس کا قول کرنا کسی کو جائز نہیں۔ زید کو چاہئے کہ توبہ کرے اور اتباع سنت اختیار کرے۔" حفظ الایمان ص ۹

جب زید کا عقیدہ اور قول سراسر غلط ہوا۔ تو اس کا یہ عقیدہ اور قول بھی غلط ہوا جو اس نے کہا تھا:

اس معنیٰ کر عالم الغیب خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔

اس جملے کے چار اجزا ہیں۔ اول اللہ تعالیٰ کا علم بالذات ہے۔ دوم اللہ عزوجل عالم الغیب ہے۔ سوم اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کا علم بالذات نہیں۔ چہارم یہ کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی عالم الغیب نہیں۔

جب تھانوی صاحب نے زید کے عقیدے اور قول کو سراسر غلط بتایا تو ثابت ہوا کہ — یہ چاروں باتیں بھی غلط ہیں۔ تو لازم کہ اللہ تعالیٰ کا علم بالذات نہیں ہے۔ اور اللہ عز وجل عالم الغیب نہیں ہے۔ اور اللہ کے سوا اوروں کا علم بالذات ہے۔ اور وہ عالم الغیب ہیں۔ تھانوی صاحب کے نیاز مندان کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

گنگوہی صاحب کا کفری فتویٰ

کسی شخص نے گنگوہی صاحب کے یہاں مندرجہ ذیل استفتا بھیجا:۔

ما قولکم رحمکم اللہ۔ دو شخص کذب باری میں گفتگو کرتے تھے، ایک کی طرف داری کے واسطے تیسرے شخص نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک به و یغفر ما دون ذالک الخ لفظ ما عام ہے، شامل ہے معصیت قتل مومن کو، پس آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ پروردگار مغفرت مومن قاتل بالعمد بھی فرما دیگا۔ اور دوسری آیت میں ہے من قتل مومنا متعمدا فجزاءہ جهنم خالدا — الخ لفظ من عام ہے شامل ہے مومن قاتل بالعمد کو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مومن قاتل مومن بالعمد کی مغفرت نہ ہوگی۔ اس قائل کے خصم نے کہا کہ۔ آپ کے استدلال سے وقوع کذب باری ثابت ہوتا ہے کیونکہ آیت میں و یغفر ہے نہ و یمکن ان یغفر۔ یہ سنکر اس قائل نے جواب دیا میں نے کب کہا ہے کہ میں وقوع کا قائل نہیں ہوں۔ اور دوسرا قول اسی قائل کا یہ ہے کہ کذب علی العموم قبیح بمعنی منافر للطبع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مواضع میں جائز رکھا ہے اور توریہ و عین کذب بمعنی بعض مواضع میں دونوں اولیٰ ہیں۔ نہ فقط توریہ۔ آیا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر؟ اور مسلمان ہے تو بدعتی ضال یا اہلسنت وجماعت باوجود کرنے

کذب باری تعالیٰ کے۔ بینوا و توجروا۔

الجواب:۔ اگرچہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی، مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہئے کیونکہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علمار سلف کی قبول کرتی ہے چنانچہ مولوی احمد حسن صاحب رسالہ تنزیہ الرحمٰن اپنے رسالہ میں تصریح کرتے ہیں، بقولہ علاوہ اس کے مجوزین خلف وعید وقوع خلف کے بھی قائل ہیں چنانچہ ان کے دلائل سے ظاہر ہے حیث قالوا لانه لیس بنقص بل هو کمال الخ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بعض علماء وقوع خلف وعید کے قائل ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو، سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے گاہ وعدہ گاہ خبر۔ اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہوویگا لہذا وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناءً علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہئے کہ اس میں تکفیر علمار سلف کی لازم آتی ہے۔ ہر چند یہ قول ضعیف ہے، مگر تاہم متقدمین کے مذاہب پر صاحب دلیل قوی کو تضلیل صاحب دلیل ضعیف کی درست نہیں۔ دیکھو کہ حنفی، شافعی پر اور برعکس بوجہ قوت دلیل اپنی کے طعن و تضلیل نہیں کرسکتا۔ انا مومن ان شاء اللہ کا مسئلہ کتب عقائد میں خود لکھتے ہیں۔ لہذا اس ثالث کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہئے البتہ بنرمی اگر فہمائش ہو بہتر ہے۔ البتہ قدرۃ علی الکذب مع امتناع الوقوع مسئلہ اتفاقیہ ہے کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ اگرچہ اس زمانے میں لوگوں کو ابعاد بیجا ہوگیا ہے۔ قال اللہ ولو شئنا لاٰتینا کل نفس هداها ولکن حق القول منی لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعین الاٰیة۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوهی عفی عنه [مہر: رشید احمد]

خلاصہ فتویٰ

سوال میں تصریح ہے۔ کہ قائل نے یہ کہا ــ میں نے کب کہا ہے۔ کہ میں وقوع کا قائل نہیں ہوں ــ اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ اس قائل کا عقیدہ یہ ہے کہ ــ اللہ عزوجل جھوٹ بول چکا ــ اس سبوح قدوس عزوجل کو جھوٹا کہنے والے پر گنگوہی صاحب کی شفقت وعنایت بے غایت ملاحظہ فرمایئے ــ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں

اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہیئے۔ وقوع کذب کے معنی درست ہو گئے اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیئے۔ اس ثالث کو تضلیل (گمراہ کہنے) وتفسیق (فاسق کہنے سے) مامون کرنا چاہیئے۔

یعنی اللہ عزوجل سے کذب کا وقوع ہو چکا۔ وہ جھوٹ بول چکا ہے۔ اس لئے جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول چکا۔ وہ کافر نہیں۔ کافر ہونا تو کوسوں دور ہے، بدعتی گمراہ بھی نہیں۔ بدعتی گمراہ ہونا بھی دور بہت دور ہے فاسق بھی نہیں۔ فاسق ہونا دور ہے۔ کوئی سخت کلمہ بھی اس کو نہیں کہنا چاہیئے۔ اتنی مہربانی کیوں نہ فرماتے آخر اپنے مذہب کے رحمۃ للعالمین جو ہیں۔

سارے کلمہ پڑھنے والوں سے کلمہ کا واسطہ، نام اسلام کا واسطہ۔ کیا اس سبوح قدوس عزوجل کو جھوٹا مان لینے کے بعد بھی کوئی مسلمان رہ سکتا ہے؟ ایسے صریح و شنیع کفر کے بعد بھی گنگوہی صاحب کو کافر نہ کہا جائے تو پھر کفر کس چیز کا نام ہے یہ معمہ کوئی صاحب حل کر دیں۔

پوری دنیا کے مسلمانوں کا اس پر تعامل ہے ــ کہ وہ بذریعہ ڈاک مفتی صاحبان کے پاس اور دارالافتاء میں سوالات بھیجتے ہیں اور مفتی صاحبان اس کا جواب لکھکر اپنی دستخط اور مہر کر کے بذریعہ ڈاک ہی سائل کو واپس کرتے ہیں۔ تمام دنیا کے مسلمان اس پر اعتماد کرتے ہیں اور اس کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔ اور یہ یقین کرتے ہیں کہ یہ انھیں مفتی صاحب کا فتویٰ ہے جنکے اس پر مہر اور دستخط ہیں۔ اور یہ اعتماد جسطرح عملیات

کے سلسلے میں ہوتا ہے اسی طرح اعتقادیات میں بھی ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر کسی کے بارے میں کفر کا فتویٰ ہوتا ہے تو مسلمان اس مفتی کے فتویٰ کے مطابق اسے کافر مانتے ہیں اور اسکے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔

بذریعہ ڈاک آئے ہوئے فتاویٰ ہی کی یہ خصوصیت نہیں بلکہ دستی حاصل کئے ہوئے فتاویٰ کی بھی یہی حیثیت ہے کہ مفتی کے دستخط اور مہر پر اعتماد کر کے اسے قابل عمل جانتے ہیں۔

آج تک کسی نے بھی کسی مفتی کے فتویٰ کو یہ کہہ کے رد نہیں کیا ہے کہ اس دستخط اور مہر کا کیا اعتبار الخط یشبہ الخط - الخاتم یشبہ الخاتم۔ اور نہ آجتک کسی فتوی کے بارے میں ثبوت کے لئے گواہان شرعی بقدر نصاب طلب کیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خط مفتی حجت شرعیہ ہے۔

اور اگر گنگوہی صاحب کے نیازمند نہ مانیں تو لازم کہ دارالعلوم دیوبند اور دیوبندی مولویوں کے سارے فتاویٰ لغو اور مہمل۔ ردی اور لاشئی محض۔ دیوبندیوں کو چاہئے کہ اعلان عام کر دیں۔ کہ اب ہمارے یہاں بذریعہ ڈاک سوالات نہ بھیجے جائیں اور نہ کوئی دستی سوال لے کر اکیلے آئے۔ جس کو جواب لینا ہو وہ گواہان عادل بقدر نصاب لے کر آئے اور اپنے اور ان گواہوں کے روبرو ہم سے جواب لے۔ اور جہاں کا قصہ ہو وہاں کے قاضی کے یہاں حاضر ہو کر سائل دعویٰ کرے کہ فلاں مفتی صاحب کا فتویٰ ہے۔ اور گواہان گواہی دیں پھر قاضی حکم دے تو معتبر ہوگا۔

اسی پر بس نہیں فتاویٰ رشیدیہ کا کیا اعتبار جو گنگوہی صاحب کے مرنے کے برسوں بعد مرتب ہوا۔ کیا کوئی صاحب اس پر گواہان شرعی ہی نہیں غیر شرعی سہی بقدر نصاب نہیں تو ایک ہی سہی پیش کر سکتے ہیں کہ فتاویٰ رشیدیہ میں چھپے ہوئے سارے فتادے گنگوہی صاحب نے ہمارے سامنے لکھے ہیں۔ آپلوگوں نے اچھی تدبیر نکالی ہے کہ سارا دیوبندی مذہب ہی لغو اور مہمل ہو جائے۔ خدا مبارک کرے۔

اسی لئے مسلمانوں کا یہ تعامل ہے کہ کسی مفتی کے دستخط اور مہر کو دیکھکر یقین کرتے ہیں کہ یہ حقیقت میں اسی کا فتوی ہے۔

اس کیمطابق گنگوہی صاحب کی خدمت میں ایک سوال گیا وہاں سے گنگوہی صاحب کے دستخط اور مہر سے مزین ایک جواب آیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے انکا فتویٰ نہ مانا جائے۔ اور اسے افترا اور بہتان کہا جائے، مسلمانوں کے اجماعی عمل اور تعامل کی بنا پر ۔ کہ خط مفتی حجت شرعیہ ہے ۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اور نہ صرف انھوں نے بلکہ جس نے بھی اسے دیکھا اس نے یقین کیا کہ یہ گنگوہی صاحب ہی کا فتویٰ ہے اور اس پر جو حکم شرعی تھا وہ صادر فرمایا۔ یہ کوئی جُرم نہیں۔ بلکہ اگر نہیں کرتے تو مجرم ہوتے ۔ حدیث میں فرمایا گیا،

الساکت عن الحق شیطان اخرس — حق بات کہنے سے جو چپ رہے وہ گونگا شیطان ہے

اگر واقعی یہ گنگوہی صاحب کا فتویٰ نہیں تھا۔ تو جب انھیں معلوم ہوا کہ میری جانب ایسا خطرناک فتویٰ منسوب کیا جا رہا ہے تو انھیں لازم تھا کہ فوراً بلا تاخیر اسکی تردید شائع کرتے۔ مگر ہوا یہ کہ انھیں بالکل شروع ہی میں اس کا علم ہوا جیسا کہ صاحب فیصلہ کن لکھتے ہیں :۔

> نیز جب پہلے پہل اس بہتان کا چرچا بریلی میں ہوا تو یہاں سے حضرت کے بعض متوسلین نے گنگوہ عریضہ بھیجکر حقیقت حال دریافت کی۔ اسکے جواب میں بھی حضرت مرحوم نے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی اور حضرت مرحوم کی وہ جوابی تحریر بعینہٖ خانصاحب کو دکھائی گئی مگر پتھر کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔
>
> (فیصلہ کن ص ۶۹)

یہ تحریر اعلیٰ حضرت کو دکھائی گئی کہ نہیں۔ سردست اس سے ہمیں بحث نہیں۔ ان گنگوہی صاحب کے متوسلین پر لازم بلکہ فرض تھا کہ تحریر کو شائع کر دیتے۔ اعلیٰ حضرت کے خلاف ان متوسلین نے بارہا پوسٹر نکالے اس میں کیا رکاوٹ تھی کہ اس جوابی تحریر کو شائع کر دیتے۔ ان متوسلین نے اگر نہیں شائع کی تھی تو گنگوہی صاحب پر فرض تھا کہ اگر وہ فتویٰ ان کا نہیں تھا تو خود اپنی طرف سے تردید شائع کر دیتے۔ اہلسنت کے اوپر افترا کے دفتر لکھ لکھکر شائع کرتے رہے۔ مگر بقول نیازمندان اپنے اوپر اتنے سنگین بہتان کی تردید نہیں شائع کر سکتے تھے۔ جسمیں ان کی آبرو بھی محفوظ رہتی اور ایک انتشار ختم ہو جاتا۔ بیلا دو وفاحہ

پر تو جوش کا وہ عالم کہ ۲۸ صفحات کی کتاب لکھ ڈالی۔ اور اتنے سنگین الزام کی تردید میں چپ رہنا اس کی دلیل ہے کہ وہ فتویٰ انھیں کا تھا۔ وہ ان نیازمندوں کی طرح بزدل نہیں تھے کہ ایک بات لکھکر اس سے انکار کریں۔ اپنے عقیدے کو ظاہر کر کے مکر جائیں۔

ناظرین اس فتوے کی پوری تاریخ ملاحظہ فرمائیں؛

وہ فتویٰ جسمیں گنگوہی صاحب نے اللہ عزوجل کو صاف صاف کاذب، جھوٹا مانا۔ اس کی اصل مع مہر اور دستخط کے محفوظ ہے، اس کے متعدد فوٹو لئے گئے جو مختلف علماء اہلسنت کے پاس محفوظ ہیں۔ جسکا خط بعینہٖ گنگوہی صاحب کا خط ہے۔ مُہر انھیں کی ہے۔ گنگوہی صاحب کی تحریر کا عکس مکاتیب رشیدیہ کے ص۱۰ پر خود انکے نیازمندوں کا چھاپا ہوا ہے جسے تشبیہ ہو اس سے ملاکے مزید اطمینان کے لئے کسی ماہر فن خط شناس سے جانچ کرالے تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ انھیں کی تحریر ہے۔

واضح ہو کہ گنگوہی صاحب کا یہ فتویٰ جب ماہ ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا تو ملک میں اس کے خلاف بڑی ہلچل مچی اس پر ہر طرف سے اعتراضات شروع ہوئے، مولانا نذیر احمد خانصاحب رام پوری ثم احمد آبادی نے وقوع کذب باری تعالیٰ ماننے کے سبب مولوی رشید احمد پر کفر کا فتویٰ دیا جو ۱۳۰۹ھ میں مطبع خیر المطابع میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا۔ مولوی رشید احمد کے اس ایمان سوز فتویٰ کے رد میں ایک رسالہ "صیانة الناس" مطبع حدیقہ العلوم میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا پھر ان کا یہی فتویٰ مع رد بلیغ ۱۳۱۸ھ میں مطبع گلزار حسنی بمبئی سے چھپ کر شائع ہوا پھر یہی فتویٰ مع رد قاہر ۱۳۲۰ھ میں مطبع تحفہ حنفیہ پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوا۔ مسلسل پندرہ برس تک مولوی گنگوہی صاحب اپنے کافر و مرتد ہونے کا اعلان خاموشی کے ساتھ سنتے رہے اور پھر ۱۳۲۳ھ میں مر بھی گئے۔ ان کی زندگی میں ان کے مریدین، معتقدین تلامذہ اور خلفاء بھی چپ چاپ گونگے بہرے بنے رہے۔ بس گنگوہی صاحب کا مرنا تھا کہ مرید شاگرد خلیفہ سب کے منہ میں زبان پیدا ہو گئی اور سب صاحب قلم ہو گئے اور کہدیا۔ کہ یہ فتویٰ ہمارے حضرت گنگوہی صاحب کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ لیکن چھوٹے بڑے ہر وہابی کو معلوم ہونا

---

[1] سوانح اعلحضرت امام احمد رضا ص ۲۳۲ بحوالہ رد شہاب ثاقب وحیات اعلحضرت

چاہئے کہ اس فتوے سے انکار کا حق صرف گنگوہی صاحب کو تھا جب انھوں نے انکار نہیں کیا اور ان کی زندگی میں ان کے معتقدوں نے بھی انکار نہیں کیا تو گنگوہی صاحب کے مرجانے کے بعد ٹانڈوی، سنبھلی اور دربھنگی وغیرہ کسی وہابی کو اب نہ تو انکار کا حق ہے اور نہ انکار صحیح مانا جائے گا۔

کیا کسی عاقل کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ گنگوہی صاحب کی طرف ایک ایسا فتوئی علانیہ منسوب ہو جسمیں کفر صریح ہو جسکی بناء پر انھیں کافر کہا جاتا ہو اور وہ اس کے بعد پندرہ سال زندہ رہیں اور انھیں اس کی خبر بھی ہو جائے اور وہ ایکدم خاموش رہیں کیا کوئی عاقل یہ ماننے پر تیار ہوگا کہ اس چپ کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اس سے انکار ہے یا ان کے ذہن میں اس کا مطلب کچھ اور ہے۔

اس فتوی پر ان کا دستخط اور مہر بھی اس کا ثبوت ہے کہ یہ فتوی یقیناً انھیں کا ہے۔ اطلاع کے بعد چپ رہنا، تردید نہ کرنا اس کی تائید ہے کہ انھیں کا فتوئی ہے۔

نیازمندوں کی صفائی

یہ فتوی گنگوہی صاحب کا نہیں یہ ثابت کرنے کے لئے ان کے نیازمندوں نے بہت زور آزمائی کی۔ حیلے پر حیلے نکالے کچھ بس نہ چلا تو گالیوں کی بوچھار کی۔ مگر کوئی صاحب بھی اپنی پوری ذہنی توانائیوں کو صرف کرنے کے باوجود یہ ثابت نہ کرسکے کہ یہ فتوئی گنگوہی صاحب کا نہیں، اس سلسلے میں متعارض باتیں بھی کی ہیں۔ غلط حیلہ جوئی کا انجام بھی یہی ہوتا ہے:

پہلا حیلہ یہ ہے کہ۔ فقہ کا مسلم اور مشہور مسئلہ یہ ہے کہ الخط یشبه الخط یعنی خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ جب رویت ہلال جیسی معمولی باتوں میں خط کا اعتبار نہیں تو پھر تکفیر جیسے اہم معاملہ میں کیونکر اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے"۔

(فیصلہ کن ص۶۳)

اگر آپ کی یہ بات صحیح ہے تو پھر دیوبندیوں کے دارالافتاء سے جاری کئے ہوئے سارے فتاویٰ غیر معتبر اور لغو۔ اور خود گنگوہی صاحب کا مجموعہ فتاویٰ ردی کی ٹوکری۔ آپ کو خبر بھی ہے کہ فقہاء نے جن جن لوگوں کے خط کو معتبر مانا ہے ان میں امرا اکابر اور مفتی بھی ہیں:۔ ردالمحتار جلد رابع ص۳۵۴ پر ہے:

یفید عدم الاقتصار علی الصراف والسمسار والبیاع بل مثله کل ماجرت العادة فیه فیدخل فیه مایکتبه الامراء و الاکابر ممن یتعذر الاشهاد فاذاکتب وصولا اوصکابدین علیه وختمه بخاتمه المعروف فانه فی العادة یکون حجة علیه بحیث لایمکنه الانکار ولوانکر یعد بین الناس مکابرًا

اس سے یہ افادہ ہوا کہ صرف صراف دلال بیاع ہی کا خط معتبر نہیں بلکہ جن جن لوگوں کے خط کے حجت ہونے کی عادت جاری ہے سب حجت ہیں۔ اسی میں وہ بھی داخل ہے جو امراء اور اکابر لکھتے ہیں جنھیں گواہ بنانا متعذر ہو، اگر وصولیابی کی رسید یا قرض کا دستاویز لکھا اور اس پر اپنی مشہور و معروف مہر کردی تو اس پر حجت ہے یہی عادت ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں اور اگر انکار کریگا تو لوگوں میں مکابرہ کرنیوالا شمار کیا جائیگا۔

نیز اسی میں ص۳۰۶ پر ہے

ان القاضی اذا اشکل علیه الامر یکتب الی فقها مصر آخر فان المشاورة بالکتاب سنة قدیمة فی الحوادث

قاضی پر جب کوئی معاملہ مشکل ہوجائے تو دوسرے شہر کے فقہا کو لکھے۔ اسلئے کہ حوادث میں بذریعہ خط باہمی مشورہ سنت قدیمہ ہے۔

قبلہ آپ کو کچھ خبر بھی ہے کہ فقہاء نے۔ الخط یشبه الخط کہاں غیر معتبر مانا ہے۔ آپ اسے بخوبی جانتے ہیں مگر حیلہ جوئی کے لئے کلمۂ حق بول کر باطل مراد نہ لیتے تو کیا کرتے۔ جناب! یہ اسوقت ہے جبکہ جس کی طرف خط منسوب ہے وہ انکار کرے۔ مثلاً زید نے عمرو پر کوئی

دعویٰ کیا۔ عمرو نے دعویٰ سے انکار کیا۔ زید نے ثبوت میں عمرو کی تحریر پیش کی، عمرو نے اس تحریر سے بھی انکار کیا، تو وہ تحریر معتبر نہیں۔ اس موقعہ پر فرمایا گیا کہ۔ کیوں معتبر نہیں۔ الخط یشبہ الخط۔

یہاں پہلے تو یہ بات ثابت کیجئے کہ گنگوہی صاحب نے انکار کیا ہے۔
ہم فقہا، کے ارشاد سے ثابت کر آئے کہ خط مفتی حجت ہے۔ جب اس فتوی پر گنگوہی صاحب کے دستخط بھی ہیں مہر بھی ہے تو بلا کسی دغدغہ کے ثابت کہ یہ انھیں کا فتویٰ ہے۔
رہ گئیں وہ روایتیں جو آپ نے گنگوہی صاحب کے انکار کی لکھی ہیں۔ وہ سب من گھڑت اور جعل ہیں جو آپ لوگوں نے تراش لیا ہے۔ ورنہ کیا سبب ہے کہ دربھنگی صاحب اور بریلی کے دیوبندیوں نے گنگوہی صاحب کی وہ تحریر بلفظہ شائع نہیں کی۔ اگر واقعی گنگوہی صاحب نے انکار اور بیزاری کی کوئی تحریر لکھی تھی تو اس کا آسان حل یہ تھا کہ اسے شائع کر دیا جاتا۔ اور کہدیا جاتا کہ اصل تحریر فلاں جگہ محفوظ ہے۔ ان کے مرنے کے بعد یہ دعوی کرنا اور ان کی زندگی بھر خاموش رہنا اس کی غمازی کر رہا ہے کہ یہ سب بلذت عشق بنایا گیا ہے۔

پھر بات کیجئے تو یاد رکھا کیجئے کہ پہلے کیا لکھ چکے ہیں۔ گنگوہی صاحب کی صفائی میں آپ بھی یہی لکھتے ہیں

"اسی وقت حضرت کی خدمت میں گنگوہ عریضہ لکھا۔ تو جواب آیا۔" ص۶۹

اور بریلی کے متوسلین کے بارے میں ہے:

گنگوہ عریضہ لکھکر حقیقت حال دریافت کی۔ اور حضرت مرحوم کی جوابی تحریر بعینہٖ خانصاحب کو دکھلائی گئی۔ ایضاً

ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ گنگوہی صاحب نے بقول آپ کے بذریعہ ڈاک انکاری تحریر بھیجی۔

جب آپ ص۶۳ پر تحقیق فرما چکے کہ خط کا اعتبار نہیں۔ فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے الخط یشبہ الخط تو پھر گنگوہی صاحب کا یہ خط کیسے معتبر ہوا۔ ایک تحریر معتبر، دوسری غیر معتبر

یہ منطق کسی کی سمجھ میں آ سکتی ہے؟

تعارض

آپ نے ص۶۵ پر لکھا

اگر خانصاحب کے بیان کو صحیح سمجھکر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ فتوی متعدد بار مع رد کے حضرت گنگوہی مرحوم کی حیات میں چھپ کر شائع ہوا جب بھی لازم نہیں آتا کہ حضرت کے پاس بھی پہنچا ہو یا ان کو اطلاع بھی ہوئی ہو الخ

اور یہاں ص۶۹ پر آپ بھول گئے کہ پہلے کیا لکھا۔ کہ تحریر کر رہے ہیں۔

نیز جب پہلے پہل اس بہتان کا چرچا بریلی میں ہوا تو یہاں سے بھی حضرت کے بعض متوسلین نے گنگوہ عریضہ بھیجکر حقیقت حال دریافت کی الخ

کیا فرقہ بندی کی حمیت نے آپ کو اتنا حواس باختہ کر دیا ہے کہ ایک ہی موضوع پر بحث کرتے ہوئے دو تین صفحے پہلے کہی ہوئی بات بھول گئے۔ اب انصاف ناظرین کے ہاتھ ہے یہ تو یقینی ہے کہ ان دونوں باتوں میں ایک ضرور غلط ہے۔

دوسرا حیلہ

فتاویٰ رشیدیہ میں یہ فتویٰ نہیں۔ اس پر صرف اتنی گذارش ہے کہ کیا آج کے مطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ میں وہ سب فتاویٰ موجود ہیں جو انھوں نے اپنی حیات میں لکھے تھے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی ہی ہے تو پھر مطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ میں نہ ہونے سے کہاں لازم آتا ہے کہ یہ فتویٰ ان کا لکھا ہوا نہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ گنگوہی صاحب کی وفات کے برسوں بعد جمع کیا گیا ہے۔ اسوقت تک اس فتوے کے زہریلے اثرات ظاہر ہو چکے تھے۔ تو کیا فتاویٰ رشیدیہ کے جامع اور شائع کنندہ اپنے مذہب اور اپنے مذہب کے بانی کے دشمن تھے کہ اسے چھاپ دیتے۔

اور اگر آپ کہیں کہ نہیں، گنگوہی صاحب نے اپنی طول طویل حیات میں جتنے فتاویٰ لکھے تھے سب اس میں چھپ چکے ہیں تو ایک دفعہ لکھکر اسے شائع کر دیجئے پھر ہم آپ کو بتا دیں گے کہ ان کے لکھے ہوئے کتنے فتاوی کو اسمیں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

پھر فتاویٰ رشیدیہ محفوظ کہاں ہے کہ اسمیں ہونا نہ ہونا معیار بنایا جاسکے جس پر تفصیلی گفتگو ابھی آ رہی ہے۔

تیسرا حیلہ فتاویٰ رشیدیہ میں اس کے خلاف فتویٰ موجود ہے۔ یہ حیلہ اسوقت کارگر ہوتا کہ مطبوعہ فتاویٰ رشیدیہ محفوظ ہوتا۔ اس میں رد و بدل نہ کیا گیا ہوتا۔ مگر اس کے نظائر موجود ہیں کہ اس میں رد و بدل کیا گیا ہے۔ تو اس فتویٰ کے خلاف مطبوع فتاویٰ رشیدیہ میں ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ یہ فتویٰ ان کا ہو۔ سردست بقدر نصاب شہادت دو شاہد حاضر ہیں۔

پہلی شہادت فتاویٰ رشیدیہ مطبوع بار اول افضل المطابع مراد آباد میں ص۱۵ پر جلد سوم پر ہے۔

سوال: گائے کی اوجھڑی اور کپورے کھانے درست ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ درست ہیں۔ فقط

مگر بعد کے تمام مطبوع میں "کپورے کھانے" کو بدلکر "کھیری کھانی" کر دیا ہے،

(فتاویٰ رشیدیہ مبوب مطبوع کراچی ص۴۵۵)

مگر جواب میں تبدیل کا خیال نہ رہا۔ تو وہی باقی رہا۔ درست ہیں۔ کیا اس سوال کے جواب میں کہ "بکری کی اوجھڑی اور کھیری کھانی درست ہے یا نہیں۔" یہ کہنا۔ درست ہیں۔ صحیح ہے۔

یہ ان ملاپ جوڑ جواب بتا رہا ہے۔ کھیری کھانی۔ کے بجائے۔ کپورے کھانے ہی تھا۔ مگر اسے بالقصد بدلا گیا ہے۔ سچ ہے چور بھاگتا ہے اور نشان قدم چھوڑتا جاتا ہے۔

خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا۔ اب ہمارا کہنا ہے کہ جو نا خدا ترس افراد چھپنے کے بعد فتاویٰ رشیدیہ میں تحریف کر سکتے ہیں وہ چھپنے سے پہلے اس میں اپنی چلتی بھر کچھ کمی کئے ہونگے۔

دوسری شہادت فتاویٰ رشیدیہ مبوب مطبوع کراچی کے ص۱۳۱ پر ہے اور جو شخص صحابۂ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے۔ اور وہ اس کبیرہ کے سبب سُنت

جماعت سے خارج نہ ہوگا۔

افضل المطابع میں پہلی بار مطبع سے لیکر آجتک کے چھپے ہوئے سب میں یہی ہے۔

غیر مبوب میں حصہ دوم ص۱۱ پر ہے۔

اس پر سیدی، استاذی، استاذ العلماء، جلالۃ العلم علامہ حافظ عبدالعزیز صاحب بانی الجامعۃ الاشرفیہ قدس سرہٗ نے المصباح الجدید میں مواخذہ فرمایا ــــ تو آپ ہی نے اپنے ایک کفش بردار کے نام اس کے جواب میں یہ لکھا

"زیر بحث فتویٰ میں مطبع کی غلطی سے خارج ہوگا کے بجائے خارج نہ ہوگا۔ چھپ گیا ہے"

اتنی فاش غلطی مطبع نے چھاپی اور آجتک چالیس برس سے زائد ہو گئے۔ کسی کو تصحیح کی نہ سوجھی تو اب فتاویٰ رشیدیہ کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ اس فتویٰ میں جسے سنبھلی صاحب نے نقل کیا ہے ــــ مطبع نے اسی قسم کی غلطی کی ہو۔

ثانیاً:۔ گنگوہی صاحب کے مطبوع فتاویٰ میں بیشمار تعارض ہیں۔

تناقض فتاویٰ رشیدیہ مبوب مطبوعہ کراچی ص۸۳ پر ہے

"پس عقیدہ زید کا اس سبب سے ہے کہ آپ کو حق تعالیٰ نے علم دیا تھا۔ تو ایسا سمجھنا خطائے صریح ہے اور کفر نہیں۔ اور جو یہ عقیدہ ہے کہ خود بخود آپ کو علم تھا، بدون اطلاع حق تعالیٰ کے" تو اندیشہ کفر کا ہے۔ لہٰذا پہلی صورت میں امامت درست ہے اور دوسری شق میں امام نہ بنانا چاہئے۔ اگرچہ کافر کہنے سے بھی زبان روکے اور تاویل کرے"

اس فتویٰ کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی عطا سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے علم غیب ماننا، کفر و شرک ہونا تو بہت دور ہے گمراہی اور فسق بھی نہیں۔ حتی کہ جو شخص علم غیب عطائی کا معتقد ہو اس کی امامت بھی درست ہے۔ اور یہ عقیدہ کہ آپ کو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خود بخود علم غیب حق تعالیٰ کی عطا کے بغیر حاصل تھا۔ یہ بھی

کفر نہیں۔ اس میں اندیشۂ کفر ہے۔ ایسے عقیدے والا کافر نہیں۔ اس کو کافر کہنے سے زبان روکے۔

آپ آگے بڑھئے

تناقض ۱ صـ۲۷ پر ہے:۔ علم غیب خاصہ خدا ہے۔ اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام شرک سے خالی نہیں۔

تناقض ۲ صـ۹۳ پر ہے:۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا

تناقض ۳ صـ۹۶ پر ہے:۔ اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔

تناقض ۴ صـ۶۶ پر ہے:۔ جب انبیاء کرام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہے اگر یہ عقیدہ کرکے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے۔

تناقض ۵ صـ۳۷ پر ہے:۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے۔ سادات حنفیہ کے نزدیک قطعاً مشرک و کافر ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ علم غیب بجمیع اشیاء آنحضرت کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا عطا کیا ہوا ہے۔ سو محض باطل ہے اور خرافات میں سے ہے۔

تناقض ۶ صـ۹۵ پر ہے:۔ سوال ـــ اشعار اس مضمون کے پڑھنے "یا رسول کبریا فریاد ہے" کیسے ہیں

جواب:۔ بعقیدہ عالم الغیب اور فریاد رس ہونے کے شرک ہے

تناقض ۷ صـ۹۹ پر ہے:۔ بعضے شخص کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر عمر میں کل علم غیب عنایت فرمائے ہیں۔ سو یہ بات غلط ہے

تناقض ۸ غیر مبوب حصہ سوم صـ۷ پر ہے:۔ علم غیب غیر حق تعالیٰ کو شرک صریح ہے

تناقض ۹ صـ۲۹۹ پر ہے:۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب جو خاصہ حق تعالیٰ ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔ اس کے حاشئے میں لکھا لانہ کفر۔ اس لئے کہ یہ کفر ہے۔

تناقض ۱۰ صـ۶۲ پر ہے:۔ جو شخص اللہ جل شانہٗ کے سوا علم غیب کسی دوسرے کو ثابت کرے اور اللہ تعالیٰ کے برابر کسی دوسرے کا علم مانے وہ بیشک کافر ہے اس کی امامت اور اس سے میل جول، مودت سب حرام ہیں۔

تناقض ۱۱ صـ۶۶ پر ہے:۔ عقیدہ کرنا کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب غیب کو جانتے ہیں شرک قبیح جلی ہوے گا۔

صـ۹۸ پر تو یہ بخل کہ اگر یہ عقیدہ ہو کہ آپ کو صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود بدون اطلاع حق تعالیٰ علم حاصل ہو تو کفر نہیں صرف اندیشۂ کفر ہے۔ قائل کو کافر کہنے سے بھی زبان روکے ـــ تاویل کرے ـــ اور پھر یہ سخاوت کہ ـــ یہ خاصہ خدا ہے کسی بھی تاویل سے کسی دوسرے پر اطلاق ایہام شرک سے خالی نہیں ـــ شرک صریح ہے ـ کفر ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والا کافر مشرک ہے۔ اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔ میل جول حرام ہے۔ اب تعارض کی دوسری قسط ملاحظہ کریں۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صـ۱۴۱ پر یہ سوال ہے

پڑھنا ان اشعار کا جنمیں استعانت بغیر اللہ ہو کیسا ہے؟ مثلاً یہ شعر

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا　　یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِ ھَمٍّ مُّغْرَقٌ　　خُذْ یَدِیْ سَھِّلْ لَنَا اِشْکَالَنَا

پس یہ اشعار جائز ہیں یا مستحب یا ممنوع اور شرک۔ ان اشعار کا پڑھنا اس ملک میں بہت رائج ہے، مساجد اور خانقاہوں میں رو برو علماء و مشائخ کے پڑھے جاتے ہیں اور کوئی تعرض نہیں کرتا۔ ملخصًا

سوال میں مذکورہ اشعار میں غیر خدا سے مدد مانگنا بھی ہے غیر خدا کو دور سے پکارنا بھی ہے غیر خدا سے مشکل دور کرنے کی استدعا بھی ہے اور عام مجمعوں میں پڑھنا بھی مذکور ہے ان سب کے باوجود گنگوہی صاحب یہ جواب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"ندا غیر اللہ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم، سامع مستقل عقیدہ کرے اشعار بزرگان فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت، ہاں

بوجہ موہم ہونے کے مجامع میں کہنا مکروہ ہے۔ کہ عوام کو ضرر ہے۔ اور
فی حد ذاتہ ایہام بھی ہے لہذا ایسے اشعار کا پڑھنا منع ہے نہ اسکے مولف
پر طعن ہو سکتا ہے اور کراہت موہم ہونے کی بوجہ غلبہ محبت کے منجر ہو جاتی
ہے مگر ایسی طرح پڑھنا اور پڑھوانا کہ اندیشہ عوام کا ہو بندہ پسند نہیں کرتا
گو اس کو معصیت بھی نہیں کہہ سکتا۔"

یہاں سب کچھ جائز معصیت بھی نہیں زیادہ سے زیادہ مکروہ گنگوہی ہے۔ اب ذرا فتاویٰ
رشیدیہ شریف کا مطالعہ کیجئے تو طبیعت باغ باغ ہو جائے گی۔

تعارض (۱) اسی فتاویٰ کے حصہ اول ص۲۹ پر ہے

"مشابہ بشرک ہے ــ کہ غیر اللہ تعالیٰ سے طلب حاجت معصیت ہے"

تعارض (۲) حصہ اول ص۳۰ پر ہے ــ "موہم الفاظ کا پڑھنا معصیت ہے"

تعارض (۳) اسی صفحہ اسی حصے میں ہے

"اگر عالم الغیب و متصرف، مستقل جان کر کہتا ہے تو خود شرک محض ہے
اور جو یہ عقیدہ نہیں تو بھی ناجائز ہے۔"

تعارض (۴) اسی حصہ اول اسی ص۳۰ پر ہے ــ

"جو لفظ موہم معنیٰ شرک ہو۔ اس کا بولنا بھی ناروا ہے۔"

تعارض (۵) حصہ سوم ص۶ پر ہے "اور مدد مانگنا اولیاء سے حرام ہے۔"

تعارض (۶) اسی حصے اسی صفحہ پر ہے ــ

"سو غیر اللہ سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔"

تعارض (۷) اسی حصہ سوم کے ص۸ پر ہے ــ

"جب انبیاء علیہم السلام کو علم غیب نہیں۔ یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔"

تعارض (۸) اسی کے ص۱۶ پر ہے ــ

"اور وجہ فسق کی احتمال فساد عقیدۂ عوام اور اپنے اوپر تہمت شرک کے رکھنا ہے۔"

تعارض (۹) "صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو۔ یہ شرک ہے خواہ قبر کے

پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے۔"

تعارض (۱۰) حصہ اولیٰ ص۱۱۲ پر ہے ــ

"اس طور سے دعا کرنا، اے صاحب قبر میرا کام کر دے تو حرام اور
شرک بالاتفاق ہے۔"

جن باتوں کو حصہ سوم ص۱۴ پر شرک تو بہت دور ہے معصیت اور حرام، ناجائز تک
نہ مانا۔ انھیں کو ناجائز بھی کہا، حرام بھی، معصیت بھی کہا حتیٰ کہ شرک بالاتفاق کہدیا۔

تناقض کے پیچھے تعارض کا شور تعارض کی دُم میں تناقض کی ڈور

اب جن اصحاب کو خدا کا خوف ہے۔ عاقبت کی پرسش کا ڈر ہے۔ وہ خود فیصلہ کریں۔
جن بزرگ کے مطبوع فتاویٰ میں ایک ہی مسئلے میں دس، دس تعارض، تناقض ہوں
اگر ان کے کسی غیر مطبوع فتویٰ، اور مطبوع فتویٰ میں ایک تعارض ہو تو کیا تعجب کی بات ہے۔

رابعًا پھر گنگوہی صاحب ان بزرگوں میں ہیں جن کے شریک کار کا حال گذر چکا۔
کہ نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس کے صفحہ ۳، ۹، ۱۴، ۲۸، پر
بانگ دہل اس سے انکار کیا کہ خاتم النبیین کے معنیٰ آخری نبی ہے۔ پھر خود اسی تحذیر
الناس میں اس کے منکر کو کافر کہا ــ تھانوی صاحب نے حفظ الایمان میں حضور
اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس و ناکس بلکہ بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپایوں
کے علم کے مثل یا مساوی کہا ــ اور بسط البیان میں ایسے قائل کو کافر کہا۔ انبیٹھی صاحب
نے براہین میں شیطان لعین کے علم ناپاک کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے
زیادہ وسیع مانا ــ اور المہند میں اس کے قائل کو کافر کہا ــ تو اگر گنگوہی صاحب نے
اپنے ایک فتویٰ میں ایسے قائل کو کافر کہدیا تو کون سے تعجب کی بات ہے۔

ترکی بہ ترکی

سنبھلی صاحب نے گنگوہی صاحب کی نیازمندی کے جوش میں لکھ مارا

"کسی جعلساز کے لئے کسی کے مہر و دستخط بنالینا کیا مشکل ہے؟
کیا دنیا میں جعلی سکے اور جعلی دستاویزیں تیار کرنے والے موجود نہیں۔
مشہور ہے کہ بریلی اور اس کے اطراف میں تو اس فن کے بڑے بڑے کامل
رہتے ہیں جنکا ذریعہ معاش یہی جعلسازی ہے" فیصلہ کن ص۵۹

خوشی اس بات کی ہے کہ آپ نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ اس فتوی پر جو دستخط اور مہر ہے وہ گنگوہی صاحب کے دستخط اور مہر کے اتنی مشابہ ہے کہ ہوبہو انھیں کی معلوم ہو رہی ہے ورنہ اگر یہ لکھدیتے کہ دستخط اور مہر مشابہ بھی نہیں تو کوئی آپ کا کیا بگاڑ لیتا۔ الٹے گنگوہی صاحب کے قائم کردہ مذہب میں آپ کا وقار اور بڑھ جاتا۔ رہ گیا آپ نے بریلی اور اسکے اطراف کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے وہ یا تو آپ کے احساس کمتری کا نتیجہ ہے یا انکساری اور تواضع ہے۔ ورنہ گذرچکا کہ آپ تو ان بزرگوں کے فیض یافتہ ہیں جو ــــ یاد کرنے والے کو راوی بنالیتے ہیں۔ دیکھئے اسی کتاب کا ص۸۵ بحوالہ براہین قاطعہ ص۵۱ اور ان مابہ الافتخار کاریگروں کے پروردہ و منظور نظر ہیں ــــ جنھوں نے ایسی کتابیں گڑھ لی ہیں اور ان کی ایسی عبارتیں بنالیں جنکا دنیا میں کہیں کوئی وجود نہیں دیکھئے اسی کتاب کا ص۹۶ بحوالہ الشہاب الثاقب ص۹۸-۹۹

اگر ابھی آپ کی قد آور شخصیت کا بھرپور تعارف نہ ہوا ہو تو سنئیے آپ تو ایسے کامل، اکمل، ماہر و اہر کے وارث ہیں جنھوں نے آیتیں بنالیں۔ لیجئے ملاحظہ کیجئے۔ آپ کے شیخ الاسلام ٹانڈوی صاحب لکھتے ہیں:

"من یرم بہ بریا فقد احتمل الایۃ اثم مبین میں داخل

ہو کر طوق کفر ولعنت اپنی گردن میں حسب حدیث مشہور ڈالا ہے"
(الشہاب الثاقب ص۵۷)

اور دیکھئے ان کے ہی بزرگ اور مطاع اور آپ سب لوگوں کے شیخ الہند محمود الحسن صاحب ایضاح الادلۃ ص۹۳ پر لکھتے ہیں

"یہی وجہ ہے کہ ارشاد ہوا۔ فان تنازعتم فردوہ الی اللہ و الرسول والی اولوالامر منکم"

کوئی صاحب بتائیں کہ یہ آیت قرآن مجید میں کہاں ہے وہ بھی "الی" ہوتے ہوئے ــــ اولوالامر کے ساتھ۔

اور اگر ابھی ھل من مزید کا نعرہ ہے تو ملاحظہ کیجئے ــــ آپکے شیخ الاسلام حضرت ٹانڈوی کی مستند و معتمد کتاب "سیف النقی" میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے والد ماجد کے نام سے ایک فتویٰ چھاپا جسمیں جو مہر چھاپی اس میں ۱۳۰۱ھ ہے جبکہ حضرت کا وصال ۱۲۹۷ھ میں ہوچکا تھا۔

اور نیز اپنے فتاویٰ رشیدیہ سے لیجئے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ایک فتویٰ قلمی بیاض میں ہے۔ سوال یہ ہے: "تین برس کے بچے کی فاتحہ دوجے کی ہونی چاہئے یا سوم کی؟" اسکا جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ تحریر فرمایا تھا:

"شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن یا تیسرے دن۔ باقی یہ تعین عرفی ہیں۔ جب چاہیں کریں۔ انھیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ فتویٰ مبوب مطبوعہ کراچی کے ص۱۲۲ اور غیر مبوب کے حصہ اول ص۸۵ پر چھپا ہے۔ اس میں اخیر میں جہالت کے بعد "وبدعت" بڑھا دیا ہے۔ اس کے اوپر لکھا ہے،

"فتویٰ مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی موصولہ از مولوی عبدالصمد صاحب رامپوری مجموعہ فتاویٰ قلمی مولوی احمد رضا خانصاحب منقول از جلد رابع کتاب الحظر والاباحۃ ص۱۰۳"

قصہ یہ ہے کہ یہی مذکورہ بالا بزرگ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ مسائل لکھوائے۔ انھیں واپسی کی جلدی تھی اور اسوقت اتفاق سے کوئی ناقل نہ تھا۔ بظاہر مولوی صورت، مقدس سیرت تھے ان پر شبہہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، انھیں فتاویٰ مبارکہ کی وہ جلد جو کتاب الحظر کے ان مسائل پر مشتمل تھی دیدی گئی کہ جو فتاوی لکھوائے ہیں نقل کر دیں۔ انھوں نے گنگوہی صاحب سے اپنی نیازمندی کا ثبوت دیتے ہوئے فتویٰ مذکورہ میں اپنے ہاتھ سے بین السطور جہالت کے بعد بڑھا دیا "وبدعت" ہے۔ آج بھی فتاویٰ مبارکہ جلد ہشتم کتاب الحظر ص۱۴۲ میں موجود ہے۔ کوئی بھی دیکھکر بخوبی معلوم کریگا۔ کہ یہ ــــ وبدعت ــــ دوسرے قلم سے کسی اور کا اضافہ ہے۔

سنبھلی صاحب آپ بلاوجہ احساس کمتری کا شکار ہیں۔ آپکے ہم مذہب اور آپکے گنگوہی صاحب کے نیازمند اس میدان کے ایسے ایسے شہسوار گزرے ہیں جو اپنے حریف کے گھر جاکر، اس کے گھر بیٹھکر اسکی قلمی کتابوں میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ تو اپنی مطلب براری کے لئے اپنی کتابوں میں کیا کچھ گھپلا ہوگا اس کا علم آپ کو بخوبی ہے ویسے براہ تواضع اور انکساری جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔

ناظرین اس پر بھی غور کریں۔ کہ آخر وہ کون سازشتہ تھا جسکی وجہ سے یہ محرّف فتویٰ تحریف کے ساتھ فتاوی گنگوہی میں چھپا۔ آخر گنگوہ شریف پہنچا کیسے ؟

یہ سب فیض ہے آپ حضرات کے قطب الارشاد گنگوہی صاحب کا "براہین قاطعہ" صـ کی کاریگری مذکور ہو چکی اس سے بھی بڑھکر ایک اور کرامت پیش خدمت ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ مبوب مطبوعہ کراچی کے ص۸۵ پر گنگوہی صاحب کا یہ ارشاد ملاحظہ کیجئے :

"چونکہ حدیث میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود ارشاد فرمایا تھا ـــ کہ مجھکو بھائی کہو"۔ بایں رعایت تقویت الایمان میں اس لفظ کو لکھا ہے

"مجھکو بھائی کہو"۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہرگز ہرگز نہیں ہے ــ مگر گنگوہی صاحب نے اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لکھدیا۔ جو بزرگ اپنے عین اسلام کو صحیح ثابت کرنے کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ چکے ہیں وہ بھی بار بار۔ اگر اسکے نیازمند اپنے مذہب کے بانی

کو بچانے کیلئے قصے گڑھیں، روائتیں وضع کریں۔ تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ مگر حیرت سنبھلی صاحب کے احساس کمتری پر ہے۔

اس فتویٰ کی تائید

صرف یہی نہیں کہ گنگوہی صاحب نے اپنے اس فتوے سے انکار نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نیازمندوں کے علی الرغم اسکی تائید بھی فرما دی ہے۔ گنگوہی صاحب نے خود ایک کتابچہ لکھا جسکا نام تقدیس القدیر ہے۔ جسے انھوں نے حسب عادت اپنے ایک شاگرد مولوی محمد حسین مرادآبادی کے نام سے چھپوایا ہے۔ اس کے ص۸ پر ہے۔

جواز وقوعی میں بحث ہے

پھر ص۹ پر ہے

"گفتگو جواز وقوعی میں ہے نہ جواز امکانی میں"۔ ــــ جواز وقوعی کا مطلب یہ ہے جسکا واقع ہونا جائز ہو اسمیں نہ عقلاً کوئی استحالہ ہو اور نہ شرعاً۔ وہ نہ محال بالذات ہو نہ محال بالغیر۔ اسکے مقابل جواز امکانی ذکر کرکے اس معنیٰ کو قطعی طور پر متعین کر دیا ہے۔

تو اب تقدیس القدیر کی اس عبارت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ اللہ عزوجل بالفعل جھوٹ بول دے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ اگر کوئی یہ کہدے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول چکا تو کافر ہونا بڑی بات ہے وہ اہلسنت سے خارج بھی نہ ہوگا۔ یہی اس مہری دستخطی فتویٰ میں ہے۔

پھر گنگوہی صاحب کے نیازمندوں کا یہ کہنا کہ انھوں نے اس فتوی سے انکار کیا۔ تبری کی۔ صداقت سے کتنا دور ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ نکلا۔ کہ جب تکذیب باری جل و علا والے فتوی پر گنگوہی صاحب کے دستخط اور انکی مہر موجود ہے اور خط مفتی حجت۔ اور گنگوہی صاحب نے اخیر دم تک باوجود اطلاع کے اس سے انکار نہیں کیا بلکہ انکی تصنیف تقدیس القدیر میں اسکے مطابق عبارت موجود ہے تو بلاشبہ وہ انھیں کا فتویٰ ہے اور اس فتویٰ پر جو حکم شرعی ہے وہ یقیناً گنگوہی صاحب پر لاگو ہے۔ اور اپنے فتاویٰ میں جو کچھ لکھا ہے اگر وہ واقعی انھیں کا لکھا ہو تو اس سے اس کفر سے بری نہ ہوئے بلکہ ارتکاب کفر کے اقراری مجرم ہوئے۔

ــــ ⁎ ــــ ⁎ ــــ ⁎ ــــ

نزہۃ القاری

صحیح بخاری شریف کی اردو شرح

فقیہ الہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ کی مائیہ ناز تصنیف

یہ شرح تمام عربی، فارسی اردو شروح کا عطر مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت مصنف علامہ کی اعلیٰ سے اعلیٰ تحقیقات کا حسین مرقع ہے۔ جس کے مطالعہ کے بعد اجلۂ علماء کرام انگشت بدنداں ہیں۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جس میں علم حدیث کی اہمیت اور ضرورت، نشر و اشاعت تدوین و ترویج کی مختصر مگر بہت جامع اور مکمل تاریخ ہے۔ منکرین حدیث کا رد ہے۔ فقہ اور اس کی ضرورت اس کی عظمت کا دلائل قاہرہ سے ثبوت ہے۔

امام الائمہ سراج الامۃ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات بھی بالاختصار شامل ہے۔ جس میں ناقابل انکار دلائل و شواہد سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت امام اعظم جیسے فقہ کے امام اعظم ہیں اسی طرح حدیث کے بھی امام اعظم ہیں۔ نیز دلائل قطعیہ سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ حقیقت میں عامل بالحدیث احناف ہی ہیں۔ اور عمل بالحدیث کے مدعی درپردہ حدیث کے دشمن ہیں۔ اس کتاب نے ثابت کر دیا کہ دیگر علوم کی طرح علم حدیث میں بھی علماء اہل سنت کا کوئی حریف نہیں۔

بہترین کتابت عمدہ کاغذ اعلیٰ فوٹو آفسٹ طباعت دیدہ زیب رنگین پائیدار جلد

جلد اول۔ مقدمہ تا کتاب الوضو۔ صفحات ۵۶۰۔ قیمت ۷۵ روپے

جلد ثانی۔ از کتاب الوضو تا کتاب الصلوٰۃ صفحات ۴۸۸۔ قیمت ۷۰ روپے

جلد ثالث۔ از کتاب مواقیت الصلوٰۃ تا کتاب التہجد صفحات [illegible] قیمت ۷۵ روپئے

جلد رابع از کتاب الجنائز تا کتاب [illegible] صفحات ۵۶۰، قیمت ۷۵ روپئے